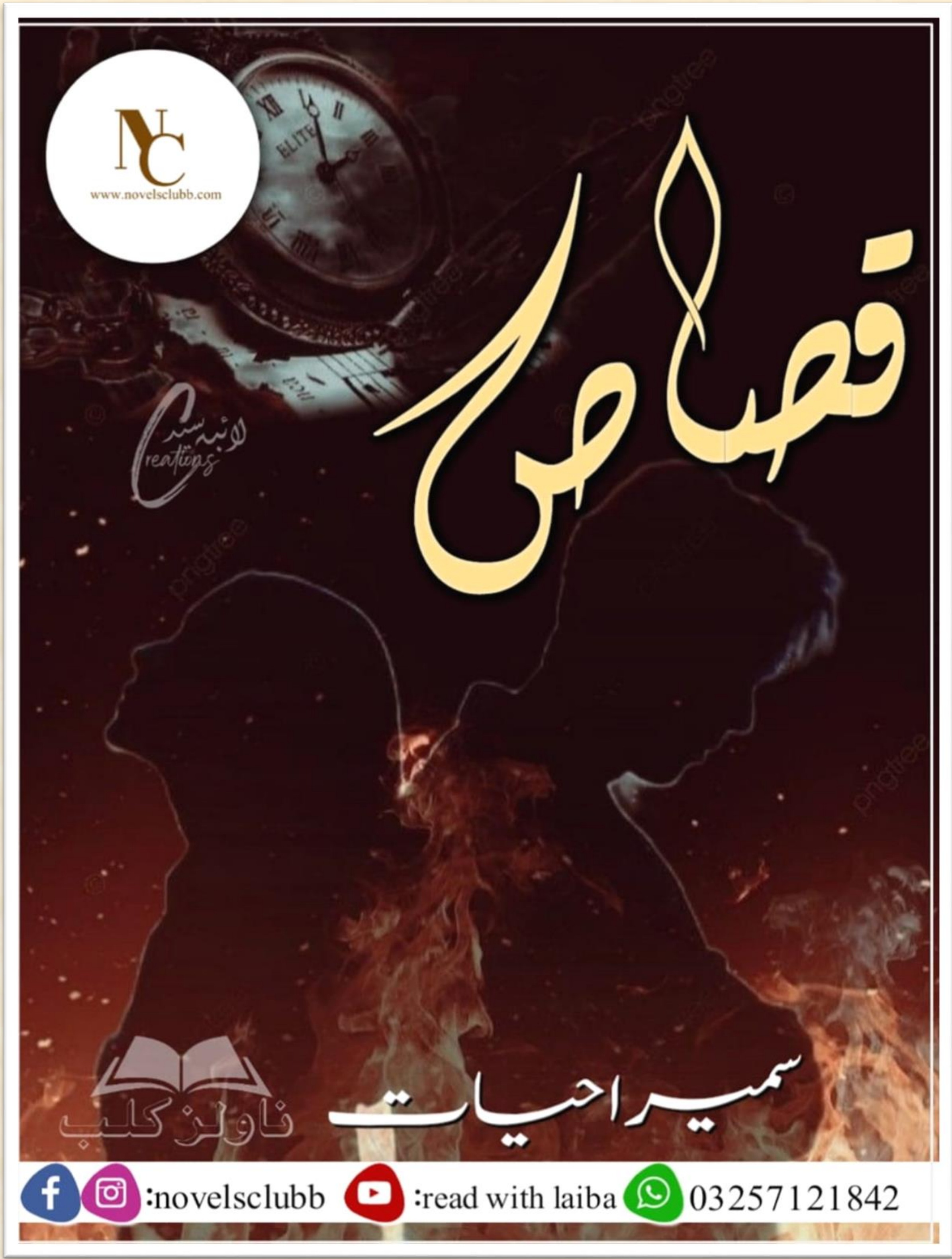
قصاص
www.novelsclubb.com
سمیرا حیات
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

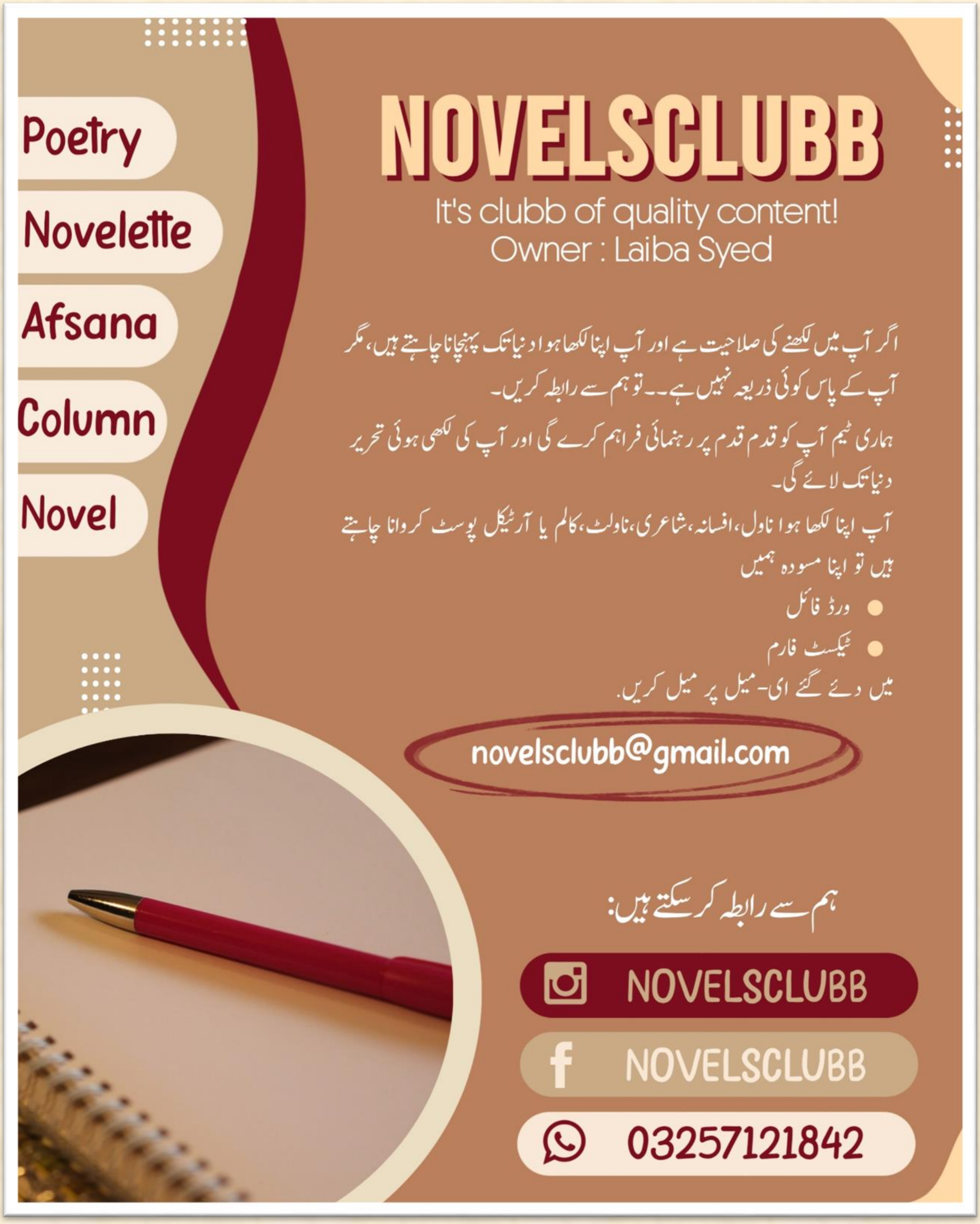
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

# قصاص

## از قلم

## سمیرا حیات

Clubb of Quality Content

ناول "قصاص" کے تمام جملہ حق لکھاری "سمیرا حیات" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

الجھنوں اور پہیلیوں کو حل کرتے ہوئے، کیا کوئی مجرم کو ڈھونڈ پائے گا؟

"جنرل اشفاق کیانی کی ہوئی حادثاتی موت پولیس کو فی الحال کوئی سراغ نہیں ملا" سلطان اپنے آفس میں سربراہی کرسی پر براجمان اخبار ہاتھ میں پکڑے باآواز بلند ہیڈ لائن پڑھ رہا تھا۔ سامنے ویزیٹر چیئرز کے پیچھے حاتم اور احمد کمرے کے پیچھے ہاتھ باندھے تابعداری سے کھڑے تھے۔ اس نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر احمد کو داد بھری نظروں سے دیکھا "کوئی سراغ نہیں ملا؟" اس نے سوالیہ طور آخری جملہ واپس سے دہرایا۔ احمد یونہی سینہ تانے کھڑا رہا کہا کچھ نہیں۔

" کمال ہے آجکل تو حادثوں کا بھی پتہ نہیں چلتا کب کہاں ہو جائیں "سلطان نے محظوظ لہجے میں کہتے اخبار طے کر کے ایک طرف رکھا" جیسے کل کو شیخ دائم عطاری کو نامعلوم لوگ گولی مار دیں گے اور ایمبولینس ٹائم پر نہیں پہنچ سکے گی" سلطان نے سادہ لہجے میں کہا۔ احمد کے چہرے پر حیرت اور وحشت کے آثار نمایاں ہونے لگے "ایمبولینس ٹائم پر وہاں نہیں پہنچنی چاہیے" احمد کو دیکھتے باور کروایا اور وہ یک ٹک سا اسے دیکھے گیا۔

"لیکن کیوں ؟"احمد کی ڈوبی ہوئی مدھم آواز ابھری۔ شیخ دائم عطاری ملک کے جانے مانے اسلامک اسکالر جن پر عوام کی ایک کثیر تعداد جان لٹاتی ہے۔سامنے بیٹھا شخص کہہ رہا تھا کہ وہ کل کو مرنے والا ہے اور اسے طبی امداد نا پہنچنے پائے۔

" پھر سوال ؟"سلطان کا موڈ بگڑا" کتنی بار بتانا پڑے گا صرف جواب دیا کرو اور سوال سنا کرو "اسنے تنبیہی انداز میں وارن کیا۔

"مگر میں کوئی اساسن (قاتل) نہیں ہوں،میں نے ہمیشہ لوگوں کی حفاظت کرنا سیکھی ہے نا کہ جان لینا"وہ مدھم مگر مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا جب اسکا دوسرا آدمی بھاگتا ہوا بنا اجازت آفس میں داخل ہوا۔سلطان غصے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"ایک لڑ..... لڑکی"وہ ہانپتے ہوئے بول رہا تھا"خود..... خود کشی کر لی ہے"سلطان کی حیرت سے آنکھیں بڑی ہوئیں وہ احمد کو جواب بعد میں دینے ہر ٹالتے جلدی سے ایک کمرے کی طرف بڑھا جہاں لڑکیوں کو قید کر کے رکھا گیا تھا۔وہ ایک لانگ روم تھا جس میں بے شمار ڈبل اسٹوری بیڈ رکھے ہوئے تھے۔ایک لڑکی فرش پر پڑی تڑپتے ہوئے

ہچکولے لے رہی تھی اسکی کلائی پر دوپٹہ بندھا ہوا تھا جس کے پار خون رس رہا تھا۔ باقی لڑکیاں جن کی تعداد دس سے زیادہ تھی۔ کچھ اس کے پاس بیٹھی اور کچھ کھڑے ہو کر روتے ہوئے فریاد کر رہی تھیں۔

"سر پلیز اسے بچا لیں" اسے دیکھتے ایک لڑکی نے ہاتھ جوڑ کر فریاد کی۔

"اس کے بازو پر دوپٹہ کس نے باندھا" وہ غصے سے دھاڑا۔ کئی لڑکیاں سہم کر پیچھے کو ہوئیں۔ اس لڑکی کے پاس اب تین لڑکیاں بیٹھی تھیں "دوپٹہ کھولو جا کر" سلطان نے حاتم کو دیکھ کر حکم دیا وہ فوراً سر خم کرتا اسکی طرف بڑھا باقی دو لڑکیاں بھی خوف کے مارے اٹھ گئیں اب صرف ایک لڑکی باقی تھی جو اسکا لڑکی کا سر گود میں رکھے ہوئے تھی۔ حاتم نے اس لڑکی کے بازو پر بندھا دوپٹہ کھول کر دور پھینکا۔ "ایسا مت کرو پلیز" دوسری لڑکی نے فریاد کی۔ خون فوارے کی مانند تیزی سے نکلنے لگا وہ لڑکی بڑی طرح سے تڑپنے لگی "پلیز سر اس پر رحم کریں" وہ چیختے ہوئے فریاد کر رہی تھی حاتم نے زبردستی اس سے دور کرتے اٹھایا اور لڑکیوں کے جھرمٹ کی طرف دھکیلا۔ وہ ہنوز چیختے ہوئے فریاد کر رہی تھی۔ احمد خاموش

تماشائی بنا کھڑا تھا۔ سلطان چہرے پر دلچسپ تاثرات لیے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے تڑپتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چند پل اور بیتے لڑکی نے آنسوؤں سے تر آنکھوں سے سلطان کو دیکھا بینائی دھیرے دھیرے کمزور ہونے لگیں آنسوؤں کی ایک آخری لڑی ٹوٹی اور آنکھیں بے جان سی احمد اور سلطان پر ٹھہر گئیں۔ جسم کی تڑپ بھی ختم ہو چکی تھی جسم کا لہو بھی بہہ کر اس کا وجود تر کر چکا تھا۔

"بس اتنا ہی تھا تماشہ؟"سلطان نے ہاتھ باہر نکالتے پوچھا "چلو پھر واپس چلو سب اپنے کاموں پر"اس نے تالی بجاتے بے رحمی سے کہا "باڈی ڈسپوز کر دو"حاتم کو دیکھتے حکم دیا۔

"کوئی اتنا کمینہ اور بے رحم کیسے ہو سکتا ہے؟"وہ لڑکی غصے سے دھاڑی۔ سلطان کا غصے سے ابرو تنا۔

"اسے بھی ساتھ پھینک دو ایسڈ میں.....۔ زندہ"وہ بھیڑیے جیسی پھاڑ کھانے والی نظروں سے اسے گھورتا دھاڑا۔

"نہیں پلیز "احمد نے دہائی دی سلطان نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا"پلیز ایسا مت کریں.....پلیز اسکی جان بخش دیں"

" تمہیں بہت رحم آرہا ہے "سلطان استہزائیہ انداز میں کہتے اسکی طرف گھوما" تمہیں بھی ساتھ پھینک دوں "مگر احمد کو خود کیلئے دھمکیوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا وہ ہنوز اس سے التجا کر رہا تھا" پلیز سر ایسا مت کریں.....کل کو آپکا کام ہو جائے گا آئی پرامس"فی الحال اسے اس لڑکی کو بچانا تھا کل ہونے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے۔

"ٹھیک ہے "وہ فاتحانہ طور مسکرایا پھر واپس حاتم کی طرف مڑا" آج کیلئے چھوڑ دو اسے .....لیکن دوبارہ اگر کوئی چیں چیں پیں پیں کرے تو بنا پوچھے اٹھا کر ایسڈ میں ڈال دینا"وہ حاتم کو مکمل اختیارات دیتے وہ واپس مڑ گیا"اسے بھی لے جانا باڈی ڈسپوز کرنے"جاتے جاتے اس احمد کیلئے بلند آواز میں کہا۔حاتم نے اسے پاس آنے کا حکم دیا۔احمد نے ترحم نگاہوں سے بے آواز روتی لڑکیوں کو دیکھا اور مجبور سا حکم پر عمل درآمد کرنے لگا۔وہ دونوں اسے اٹھائے ایک نیم اندھیرے کمرے میں لے آئے۔حاتم نے لڑکی کی لاش کو

نیچے زمین پر رکھا اور بڑھ کر لائٹس آن کیں۔ احمد کی آنکھیں چندھیا گئیں اس نے بازو سے آنکھوں پر اوٹ بنائی۔ پھر دھیرے ہٹاتے آس پاس کا جائزہ لیا وہاں چاروں طرف نیلی پول ٹائلز لگی تھیں جن پر زنگ نما میلا جما ہوا تھا سامنے چھ فٹ کا تالاب تھا جو سیاہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے ؟" احمد نے ڈوبتے دل کے ساتھ تالاب کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ حاتم نے ناگواری سے اسے دیکھا اور لڑکی کو بازوؤں سے تھامے تالاب کی طرف گھسیٹنے لگا" میں پوچھ رہا ہوں یہ کیا ہے ؟" وہ دوبارہ سے چیخا۔ حاتم لڑکی کو تالاب کے دہانے تک لے آیا اور دھیرے دھیرے اسکے جسم کو تالاب کے اندر سرکانے لگا" کیا یہ وہی ایسڈ ہے جو میں سوچ رہا ہوں ؟" تالاب کے اندر سے سیاہ دھواں اٹھنے لگا وہ کالا پانی دھیرے دھیرے لڑکی کے جسم کو اپنے اندر نگلتے راکھ کرنے لگا" کیا یہ نائٹ........ ؟" اس سے وہ لفظ بولا نا گیا۔ وہ لفظ جسے لینے سے پہلے وہ دوبارہ سوچتے تھے جسے وہ دشمن کیلئے بھی نا چنتے وہ شخص اس ایسڈ کا

تالاب بھرے انسانوں کو اس میں راکھ کر رہا تھا۔ دھواں بڑھ رہا تھا اوپر چھت میں چمنی بنی ہوئی تھی جس کے ذریعے باہر جا رہا تھا "اتنا ایسڈ آیا کہاں سے تم لوگوں کے پاس؟"

"بس چپ" حاتم غصے سے دھاڑتے اسکی طرف گھوما" کتنی بکواس کرتے ہو تم "اسکی آنکھوں میں جنونی غصہ دیکھ احمد ایک لمحے کو سہما" جب سے آئے ہو تنگ کر کے رکھا ہے تم نے.... پتہ نہیں کیا دیکھ کر باس تمہیں یہاں لائے۔۔۔ تم جیسے ڈرپوک اور بزدل دل والے ایٹ کلب کا حصہ نہیں ہو سکتے" وہ طیش سے دھاڑ رہا تھا اور احمد کی نگاہوں میں کانفرنس روم کے باہر لگا انفینیٹی شکل کا نیلی روشنی والا لوگو لہرایا تو کیا وہ انفینیٹی نشان نہیں تھا؟۔۔ وہ ایٹ تھا یعنی آٹھ؟ یعنی وہاں موجود آٹھ لوگ؟ کڑی سے کڑی جڑنے لگی تھی۔ وہ دلدل میں نہیں کھائی میں گر چکا تھا ایک خوفناک اندھیری کھائی میں جس سے نا باہر کا راستہ تھا اور نا ہی کسی کے اندر آ کر اسے بچانے کا۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ کیا اس کے پاس کوئی راہِ فرار تھی؟

************

## عالمگیر کو گولی لگنے سے قبل:

وہ کہتے ہیں ناں خوشی اور سکھ چند پل کے مہمان ہوتے ہیں، زندگی بھر کی ساتھی ہوتی ہیں بس تنہائیاں یا پھر غم۔ خضر کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ وہ جو اپنی فتح کی کامیابی سیلیبریٹ کرتا جھومتا پھر رہا تھا اسے کیا پتا تھا کہ آنے والے دنوں کی ایک صبح اسکی بربادی کا پیغام لیے ہوئے ہوگی۔ خضر کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ مگر وہ بے سدھ سا سویا بیڈ پر ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ آفس جانے کیلئے نک سک سا تیار ہو کر ناشتے کیلئے کف لنک سیٹ کرتے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے احنف کا دھیان بٹا وہ افسوس سے سر ہلاتا خضر کے کمرے کا بند دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ کمرہ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ پردوں کے پیچھے سورج کی کرنیں بے چین ہو کر اندر آنے کو تڑپ رہی تھیں۔ بیڈ پر خضر ترچھا پھیلا ہوا بے سدھ سو رہا تھا۔ موبائل بار بار بج رہا تھا، جیسے کوئی منحوس الارم مسلسل زندگی کی سب سے بڑی تباہی کا اعلان کر رہا ہو۔

احنف باہر ہال میں کھڑا تھا، گھڑی کی ٹک ٹک اس کے دل پر دستک دے رہی تھی۔ "اب بھی نہیں اٹھا... ؟" اس نے جھنجھلا کر دروازہ کھولا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا اور بوجھل خاموشی۔

"خضر... اٹھ جائیں!" اس نے آواز دی۔

خضر نے کمبل سر پر کھینچ لیا۔ "یار بھائی... سونے دو..." ایک لمحے کو احنف کی آنکھوں میں شرارت کی چمک ابھری۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا جگ اٹھایا اور یک دم خضر کے سر پر انڈیل دیا۔

چھپاک! پانی کی بوندیں ہوا میں بکھرتے ہی پورے کمرے کا سکوت ٹوٹ گیا۔

"اووو......۔ بھائی یار!" خضر اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ بال، چہرہ، تکیہ—بیڈ سب بھیگ گیا۔ احنف نے ریموٹ دبایا۔ پردے کھل گئے۔ سورج کی تیز کرنیں کمرے میں یوں داخل ہوئیں جیسے حقیقت کا بے رحم تھپڑ۔ پورا کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ خضر کے کمرے کی سامنے والی دیوار کوارٹرز کے سامنے بنے چھوٹے سے لان کے ساتھ جڑتی تھی تو وہ پوری

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دیوار تقریباً شیشے کی بنی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی دو آف وائٹ کلر کی سلیپر چیئرز ترچھی کر کے رکھی تھی ایک کونے میں وینج فلور لیمپ اور دوسرے کونے میں سیاہ رنگ کا بین بیگ رکھا تھا۔

کمرے کی بائیں ہاتھ پر نفاست کاریگری سے تراشا کراؤن بیڈ رکھا تھا بائیں طرف کشادہ وارڈروب اٹیچ واش روم تھا۔

"صبح ہو گئی ہے عالم پناہ" احنف نے طنزیہ لہجے میں کہتے سینے پر ہاتھ باندھے۔ خضر نے بے دلی سے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر دائیں بائیں جھٹکتے پانی جھاڑا۔ خضر نے جھنجھلا کر موبائل اٹھایا جو مسلسل بج رہا تھا۔ "ہاں بولو! صبح صبح کیا قیامت آ گئی ہے؟" فون کے دوسری طرف زینب کی ٹوٹی ہوئی آواز آئی:

"سر... بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے..."

خضر کے ماتھے پر پریشانی سے بل پڑ گئے۔ "کیا ہوا؟ جلدی بولو!" اسکی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

زینب کی آواز کانپ گئی"سر... ہمارا ڈیزائن... چوری ہو گیا ہے۔ اور... اور وہ لوگوں میں مفت بانٹ دیا گیا ہے۔"

کمرے کی فضا لمحے بھر کو ساکت ہو گئی۔ گھڑی کی ٹک ٹک، پنکھے کی گھوں گھوں—سب جیسے تھم گیا۔

خضر کا دل رکنے لگا۔ اندر سے ایک شور اٹھا"یہ جھوٹ ہے! یہ نہیں ہو سکتا! اس نے وعدہ کیا تھا... قسم کھائی تھی... وہ ایسا نہیں کرے گا۔ نہیں... نہیں...!!!"فون اس کے ہاتھ سے لرزنے لگا۔

اگلی خبر اس کے لیے صدمہ ثابت ہوئی وہ صدمے سے پھٹی آنکھوں سے احنف کو دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا خضر؟"احنف بھی بے چین ہوا مگر وہ اپنی جگہ پتھرا گیا تھا۔ احنف نے بڑھ کر زبردستی موبائل فون اس سے لیتے کان پر لگایا۔

"سر مریم جیم ویئر نے اپنا برانڈ ختم کر کے سارے کپڑے فولورز میں مفت بانٹ دیے ہیں اور ان میں سے سب سے ہائی لائٹ پر ہمارا چوری کیا ہوا ڈیزائن ہے۔ ہمارا تو ابھی لانچ بھی

نہیں ہوا تھا" احنف کی بھی سانس حلق میں اٹکی اس نے بے اختیار خضر کو دیکھا جو شاید برف کا مجسمہ بن گیا تھا۔

"یا اللہ..." احنف کی آواز بھاری پڑ گئی۔ "زینب احنف ہیئر..... گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں کیا کر سکتے ہیں"

"سر کیا کریں گے آپ ہماری اتنے دنوں کی محنت ہمارا سارا اسٹاک بیکار ہو گیا اب سب ہمیں کاپی کہیں گے" وہ بتاتے ہوئے رو رہی تھی۔

"زینب پلیز بی کام..... خود کو سنبھالیے ہم آپکو کچھ دیر بعد کال کرتے ہیں" احنف کو فی الحال خضر کو سنبھالنا تھا اسے خضر کو دیکھ دیکھ کر وحشت ہو رہی تھی۔ "خضر" احنف نے موبائل اپنی پینٹ کی جیب میں ڈالتے خضر کو پکارا۔ مگر وہ یونہی بیٹھا رہا وہ دھیرے سے چلتے ہوئے اس کے روبرو آبیٹھا۔ بیڈ شیٹ بھی پانی کی وجہ سے گیلی ہو چکی تھی۔

"خضر ہماری طرف دیکھیے "احنف نے اس کا پتھرایا چہرہ اپنی طرف موڑا وہ ویران آنکھوں سے احنف کو دیکھنے لگا۔ احنف نے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ "خضر! کچھ تو بولیں!"خضر کے لب کپکپائے،اور آخر کار ایک زخم بھری آواز نکلی:

"میں نے... میں نے اس پر بھروسہ کیا تھا بھائی... وہ کہتا تھا میرا ڈیزائن محفوظ ہے۔ اس نے کہا تھا... کہ وہ استعمال نہیں کرے گا۔ تو پھر یہ سب کیسے؟"اسکے لہجے میں ٹوٹے حوصلے کی کرچیاں چبھ رہی تھیں"وہ ایسے کیسے کر سکتا ہے بھائی میرے ساتھ"اسکی آنکھوں میں غصے اور ضبط آنسوؤں کے سرخ ڈورے تیرنے لگے"میں نے اس پر اعتبار کیا تھا بھائی صرف اس پر اسکے بولے الفاظوں پر"اسکی آواز اونچی ہونے لگی۔ دماغ کے اندر ایک وحشی طوفان اٹھنے لگا:

("جھوٹا! غدار! میرے خواب، میری محنت... سب کو اس نے بیچ ڈالا۔ میں نے اپنا سب کچھ اس کے حوالے کیا... اور اس نے خنجر میری پشت میں گھونپ دیا۔")

"وہ ایسے نہیں کر سکتا!" اچانک خضر دھاڑا، آنکھوں میں خون اتر آیا" "وہ ایسے نہیں کر سکتا میرے ساتھ وہ مجھے یوں برباد نہیں کر سکتا۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں" اس کے لہجے میں جنون بھرنے لگا۔

"خضر! ہوش کریں!" مگر وہ ان سنی کرتا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

"خضر نہیں..... آپ ابھی غصے میں ہیں" احنف عقب اسے سینے سے بازو مائل کر کے پکڑے ہوئے روک رہا تھا۔

"چھوڑیں بھائی مجھے جانے دیں" وہ جنونی سا کہتا اسکے بازوؤں کو خود سے ہٹا رہا تھا۔ احنف نے گھبرا کر اسے جکڑ لیا۔

مگر خضر جھٹپٹانے لگا۔ "بھائی چھوڑیں مجھے! وہ میری سانسیں چرا رہا ہے... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا!"۔ شور بڑھنے لگا تھا۔ محل کے ملازم اور نوشاد بیگم خضر کے کمرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ احنف مشکل سے اسے پکڑے ہوئے تھے وہ پوری قوت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب حواس باختہ سے انھیں دیکھ رہے تھے۔

"عدیل مدد کریں ہماری" احنف نے جلدی سے اسے مدد کیلئے بلایا۔

"عدیل پاس مت آنا میرے دور رہو" خضر غصے سے دھمکا رہا تھا۔ وہ ڈرتے ہوئے اس کے قریب آرہا تھا غصے کے مارے اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ "بھائی چھوڑیں مجھے..... مجھے جانیں دیں" خضر غصے اور بے بسی سے بار بار چلا رہا تھا۔ آنکھوں سے بے ضبط آنسو بہہ رہے تھے۔ "خضر کیا ہو گیا ہے بچے" نوشاد بیگم ڈری سی کیفیت میں کمرے کے دروازے میں رکی ہوئی تھیں۔ خضر کا درد سے دل پھٹنے کو آرہا تھا۔

"سب غدار ہیں! سب دوغلے! میں اسے مٹا دوں گا... میں اس کا خون کر دوں گا!"

"خضر ہوش کریں خدا کا واسطہ ہے آپ کو" احنف کی آواز لرز گئی۔

آخر کار خضر کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوبا دھاڑیں مارنے لگا "بھائی" اسکی بھرائی ہوئی دھیمی آواز ابھری "میں نے تو اعتبار کیا تھا اس پہ" وہ شکستہ سا بول رہا تھا "اس نے کہا تھا وہ ڈیزائن استعمال نہیں کرے گا"" احنف اسے پکڑے بے بسی اور کرب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دھیرے دھیرے اسکی ہمت جواب

دینے لگی۔ آنسو اور آوازیں خاموشی میں بدلنے لگے وہ بے سدھ سا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

احنف ابھی بھی اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ عدیل اسے چھوڑتے دور ہو گیا۔

"جائیں پانی لے آئیں خضر کیلئے" احنف نے دھیرے سے کہا۔

"میں نے اس پر بھروسہ کیا تھا... صرف اس پر..."

"ہوا کیا ہے انھیں ابی؟" نوشاد بیگم وحشت زدہ سی کپکپاتی آواز میں پوچھ رہی تھیں۔

"بیگم جان ہم بعد میں سب بتاتے ہیں آپ کو فی الحال پلیز آپ سب جائیے یہاں سے" احنف نے التجا کی۔ وہ دل ناچار سی ملازمین کے ساتھ واپس پلٹ گئی۔ احنف خضر کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھا تھا ابھی بھی اسے تھامے ہوئے تھا۔ خضر واپس سے خاموش ہو گیا تھا۔ بے سدھ سا اسکے سینے سے آلگا۔ احنف نے دھیرے سے اسکا سر چومتے گرفت ڈھیلی کی" خضر پہلے بھی جذباتی پن میں فیصلہ لیا تو یہ انجام ہوا اب پھر سے ہم کوئی رسک نہیں لینا چاہتے" وہ دھیرے دھیرے بولتے اسے سمجھانے لگا

"برفات کوئی عام لوگ نہیں ہیں انھوں نے دوبار ہمیں، ہمارے اپنوں کو نقصان پہنچایا ہے ہم اسے چھوڑیں گے نہیں آئی سوئیر" اسکی آنکھوں میں اس دن کا منظر لہرایا جب وہ فرحان کے گھر سے نکل رہا تھا اور خضر نے اسے کال کر کے بتایا کہ عالمگیر یونیورسٹی پہنچ چکا ہے۔ اس کا سانس سوکھ گیا تھا وہ کیسے؟ کس طرح سے یونیورسٹی پہنچا تھا یہ صرف اس کا خدا جانتا تھا۔ وہ گاڑی سے نکلتے بے جان قدموں کو گھسیٹتے ہوئے یونیورسٹی کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا جب زین جاتا ہوا دکھائی دی۔

"زین" بے آواز پکار اسکے لبوں سے نکلی اس نے تھوک نگلتے ہمت مجتمع کی اور دوبارہ سے اسے پکارا زین موبائل فون میں مگن سا چل رہا تھا۔ اس کے پکارنے پر حیرت زدہ سا پلٹا۔ احنف ہوائیاں اڑے چہرے کے ساتھ لڑکھڑاتے قدموں سے اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ماموں" زین حیرت سا اسکی طرف بڑھا۔ احنف نے بانہوں میں سمو کر کس کر گلے لگائے خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ شکر تھا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اسکی آنکھیں جل رہی تھی وہ

زین کو خود سے دور کرتے اسکا جائزہ لیا "آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا انھوں نے "وہ تیز تیز بولتے پوچھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ماموں انھوں نے بس بات کی مجھ سے..... آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہیں "زین وحشت زدہ اور سہمے لہجے میں پوچھ رہا تھا

"کچھ نہیں زین ہم بس ڈر گئے تھے "اس نے دوبارہ اسے گلے لگاتے بھرائی آواز میں کہا وہ اسے کیسے بتاتا وہ کرب وہ اذیت جو اسے کوئی نقصان ہونے پر اٹھانی پڑتی وہ شاید جیتے جی مر جاتا یا شاید اس کے ساتھ ساتھ آپا اور غضنفر دادا بھی۔وہ کیسے سامنا کرتا ان کا کیا منہ دکھاتا انھیں وہ کتنا کمزور تھا کہ اپنے بھانجے کی حفاظت نہیں کر پایا تھا۔ماضی کی یادوں کی کرچیاں اسکی آنکھوں میں چبھنے لگیں۔

"ہم پر بھروسہ کریں ہم قصاص لیں گے آپ کا،زین کا،ان خوشیوں کا جسے انھوں نے اپنے پیروں تلے روندڈالا پلیز ہمیں ایک موقع دیں....."عالمگیر کو بنا ملے وہ اس قدر نفرت کرنے لگا تھا وہ سامنے ہوتا تو شاید اسکی حالت خضر سے الگ نا ہوتی۔

"تب تک آپ کچھ مت کریں پلیز ہم ضرور بدلہ لیں گے آپکا ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں اسے اس نقصان کی بھرپائی بھاری شکست کے ساتھ کرنا ہو گی۔ ہم انھیں اس سے زیادہ برباد کریں گے I promise just give me some time"اس نے التجا کی۔ خضر نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ اسکا چہرہ آنسوؤں سے تر اذیت کی سرخی میں مبتلا تھا آنکھوں سے مانو لہو ٹپک رہا تھا۔ احنف اپنی جگہ ساکت سا ہو گیا" تب تک خاموش رہیں پلیز ہمارے لیے..... خضر... جذبات ہمیں برباد کر دیں گے۔ اگر بدلہ لینا ہے تو عقل سے لیں۔ ورنہ ہم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے خوابوں کو دفن کر دیں گے "احنف نے ایک آخری بار التجا کی خضر نے دھیرے سے اسکے بازوؤں کو خود سے ہٹایا۔ احنف دھڑکتے دل سے اسکے عمل کو دیکھنے لگا۔ وہ اٹھا چھوٹے چھوٹے قدم بھرتا باتھ روم میں لاک ہو گیا۔

"خضر "احنف تڑپ کر اٹھتے اسے پکارا مگر اندر سے کوئی آواز نا آئی۔ تبھی عدیل پانی لے کر کمرے میں آیا۔ احنف نے ایسی کھا جانے والی نظروں سے دیکھا کہ عدیل ڈر کے مارے ایک قدم پیچھے ہوا۔

"وہ دراصل....."اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا۔

"اگر اپنی سلامتی چاہتے ہیں تو واپس انھی قدموں پر پلٹ جائیے اس سے پہلے ہم کوئی غلط قدم اٹھائیں"احنف نے غصے سے محتاط لہجے میں باور کرایا۔وہ جان کی امان پاتے فوراً وہاں سے واپس دوڑا اور کچن میں آ کر سانس لی۔ پھر خود ہی گلاس میں بھرا پانی ایک سانس میں پی کر گہری سانسیں لیتے۔زخمی ہو کر بے سدھ سے پڑے ایڈی کے پاس آبیٹھا۔

" تمہیں بھی ابھی چوٹ لگنی تھی"گود میں اٹھاتے اسکا جائزہ لینے لگا۔وہ درد اور خون کے بہہ جانے کی وجہ سے لاغر سا ہو رہا تھا اس کی پچھلی دائیں طرف کی ٹانگ دروازے میں پھنس کر بری طرح سے لہولہان ہو چکی تھی۔شاید وہ ان سب کے خضر کے کمرے کی طرف لپکنے سے گھبرا کے ان کے پیچھے بھاگا تھا اور کچن کے دروازے میں پھنس گیا۔عدیل جب واپس آیا تو وہ نیم بند دروازے میں ٹانگ پھسائے درد سے اونگھ رہا تھا۔عدیل پانی لے جانے کا بھول کر جلدی سے اسکی طرف متوجہ ہوا۔کچن نیپکن اس کی ٹانگ پر لپیٹ کر کس کے پکڑا تا کہ خون رک جائے۔تب تک باقی سب بھی واپس آچکے تھے۔اس نے فرسٹ ایڈ باکس سے

پایوڈین نکال کر ایڈی کو پٹی کی جب تک ماں کے یاد دلانے پر پانی کا خیال آیا تب تک موت کا فرشتہ اس کے قریب آچکا تھا کسی طرح وہ جان بچا کر واپس بھاگا۔

*********

ڈائمنڈ پیلس میں ایک اور دن سوگواری سے گزر رہا تھا۔ مریم اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اور حنام بھی اپنے کمرے کا دروازہ بند کیے ہوئے سوئی ہوئی تھیں۔ دونوں ناراضگی سے ناشتہ کرنے بھی نہیں آئی تھیں۔ عالمگیر نک سک سا تیار ہو کر ناشتہ کرنے کے بعد آفس کیلئے نکل رہا تھا جب پشاور سے زمینوں کا حساب لیے منشی لالہ گھر میں داخل ہوئے.

" کیسے ہیں آپ" عالمگیر نے خوشدلی سے استقبال کرتے ان کی خیریت دریافت کی۔

"الحمدللہ بچے ہم ٹھیک ہیں" پشتون لہجے میں اردو بولتے انھوں نے جواب دیا۔ وہ انھیں لیے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ صوفیہ کو ان کے کھانے کا انتظام سونپتے اس نے امراء اور سعیدہ خاتون کو بلانے کو کہا۔

"(او منشي لاله ته وو ایه چ° پہبیر° ور ک° ھر °ہ سم دي.) اور بتائیں منشی لالہ پشاور میں سب ٹھیک ہے "عالمگیر نے پشتو زبان میں پوچھا۔ عالمگیر اس کے ساتھ کسی دوست کی طرح گھلا ہوا تھا۔ وہ بھلے پشاور کبھی نا گیا ہو لیکن وہاں کے مخلص لوگوں کی وہ دل سے عزت کرتا تھا۔

"(ھر °ہ سم دي. د خدای شکر دی، سوله ده.) سب ٹھیک ہے۔ امن ہے الحمدللہ "انھوں نے خوشی سے چہکتے جواب دیا۔ انسان کتنا بھی الگ الگ زبانیں اور روایات میں کاریگری حاصل کر لے۔ اپنی مادری زبان اور اپنے کلچر کے ساتھ وہ جتنا پرسکون اور خوش باش ہوتا ہے۔ ویسا کسی اور طرح نہیں ہو پاتا۔ ابھی وہ دونوں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جب بوتیک کیلئے تیار امراء اور سعیدہ خاتون سر پر دوپٹہ لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

ڈرائنگ روم ہمیشہ کی طرح سفید صوفوں سے آراستہ تھا۔ اسکے بائیں جانب کی قطار پہلے والے صوفے پر سرمئی شلوار قمیض میں اور خیبر پختونخواہ کے رہائشیوں کی مخصوص سرمئی اور سیاہ امتزاج کی پگڑی پہنے ساٹھ سالہ ضعیف سے سفید چمچماتے چہرے کے ساتھ منشی لالہ نظر آئے جنہیں وہ اکثر اوقات علاءالدین برفات سے ملتے دیکھا کرتی تھی ان کے پاس ہی ان کا

مخصوص چمڑے کا تھیلا رکھا ہوا تھا جن وہ حساب کے رجسڑ رکھتے تھے۔ صوفے کے ساتھ رکھی کراؤن چئیر پر عالمگیر ہمیشہ کی طرح قیمتی سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ حالانکہ وہ سیاہ رنگ پہنتا تھا لیکن ہر سوٹ پہلے سے بالکل مختلف ہوتا۔ وہ سیاہ رنگ کا بادشاہ تھا یا شاید اس پر کوئی اور رنگ جچتا نہیں تھا۔ انھیں پشتو میں بات کرتا دیکھ امراء نا سمجھی سے ان کے چہرے تکنے لگی۔

"اب سے زمینوں کے حساب کتاب کا دھیان امراء اور سعیدہ خاتون رکھیں گی" اب کے عالمگیر اردو زبان میں بولا اور امراء کو سکتے میں ڈال گیا" میں مصروف ہوتا ہوں اپنے کاروبار میں ویسے بھی یہ سب ان کے نام ہے تو بہتر ہے کہ وہ دونوں ہی سنبھالیں سارے معاملات" وہ مزید کہہ رہا تھا اور امراء جواز تلاش کر رہی تھی کیسے وہ یہاں سے راہ فرار تلاش کرے۔

"جیسے آپ کو بہتر لگے بچے" منشی لالہ نے بنا کسی اعتراض کے ہامی بھری وہ بھرتے بھی کیسے وہ تو غلام تھے۔ اصل مسئلہ تو امراء کا تھا وہ جتنا برفات سے دور بھاگتی عالمگیر اسے گھسیٹتے اتنا ان کے معاملوں میں دھنسا دیتا۔

"ٹھیک ہے چلتا ہوں میں۔ آپ انھیں سارے معاملات سمجھا دیں" عالمگیر الوداعی کلمات کہتے اٹھا انھیں مصافحے کیا۔ امراء نے بمشکل ہمت کرتے اسے راستے میں روکا۔

"میر میں یہ ہر گز نہیں کروں گی" لہجے میں دھمکی اور التجا دونوں شامل تھے۔ وہ اسکے کشادہ وجود کے سامنے ڈھکی کھڑی تھی ایسے کہ منشی لالہ اسے نہیں دیکھ پا رہے تھے۔

" کیوں "عالمگیر نے بلا کی معصومیت چہرے پر طاری کرتے پوچھا "زمین جب تمہارے نام ہے تو حساب بھی تو تمہیں رکھنا چاہیے ناں" حالانکہ عالمگیر نے سادہ لہجے میں کہا مگر امراء کو لگا جیسے وہ طنز کر رہا ہو۔ وہ بیچارگی سے اسے دیکھنے لگی۔ عالمگیر نے بائیں ہاتھ پر پہنی گھڑی کے ڈائل کو اپنی طرف گھما کر ٹائم دیکھا۔

"میں لیٹ ہو رہا ہوں..... یو کیری آن" اس کا کندھا تھتھپاتے سر خم کرتے سعیدہ خاتون کو الوداع کہا اور ہوا کے جھونکے کی طرح باہر نکل گیا۔

امراء نے درشتی نگاہ سے سعیدہ خاتون کو دیکھا۔ ہر ناپسندیدہ مسئلے کا گلہ وہ ان کی علاء الدین برفات سے ہوئی شادی کو گردانتی تھی۔ سعیدہ خاتون اسے یکسر نظرانداز کرتے منشی لالہ سے قدرے دور دائیں طرف ان کے سامنے پڑے صوفوں میں سے ایک پر براجمان ہوئی"

السلام و علیکم" انھوں نے رسماً سلام کیا۔

"و علیکم السلام بی بی" منشی لالہ نے نظریں جھکائے جواب دیا۔ امراء کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا وہ چلی جاتی تو غیر آدمی کے سامنے گھر کے مرد کی توہین ہوتی اور رکنا وہ چاہتی نہیں تھی۔ اور آج تک اس نے جو چاہا وہ ہوا نہیں تو دلِ ناچار دھیمے قدموں سے چلتے ہوئے منشی لالہ جس صوفے پر بیٹھے تھے اس کے ساتھ رکھی کراؤن چئیر پر آ بیٹھی۔ سعیدہ خاتون کا سانس حلق میں اٹکا وہ پھٹی آنکھوں سے اپنی نالائق اور ہٹ دھرم اولاد کو دیکھ رہی تھی جو کام کر بھی جان بوجھ کے ایسی سچویشن پلین کرتی کہ دوبارہ اسے وہ کام نا بولا جائے۔ ابھی بھی فخریہ

طور مسکراتے اپنے مخصوص انداز میں بال جھٹک کر حجاب کا دوپٹہ درست کرتے ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بتائیں منشی لالہ کیا حساب لائیں ہیں آپ" امراء نے پوچھا تو وہ اپنے چمڑے کے بیگ سے رجسٹر نکال کر کھولتے اس کی طرف بڑھایا اور ساتھ ساتھ اسے ساری تفصیل سمجھانے لگے۔

" فصل اس بار اچھی ہوئی تھی اور منڈی میں دام بھی اچھے تھے تو پچھلے سال کے مقابلے اس بار زیادہ فائدہ ہوا ہے" وہ بتا رہے تھے اور امراء سمجھتے ہوئے نمبروں کو نظروں سے جانچنے لگی۔

"میں نے پیسے کل پی اکاؤنٹ میں ڈلوا دیے تھے" کہتے انھوں نے جیب سے پرچی نکال کر اسے دکھائی۔ امراء نے اس کا بھی بغور جائزہ لیا۔

Clubb of Quality Content

"منشی لالہ اکاؤنٹ میرے پاس ابھی ہے نہیں تو میں ابھی کچھ کنفرم نہیں کر سکتی" امراء نے سب چیزوں کو بغور جانچتے کہا پھر نظر اٹھا کر سعیدہ خاتون کو دیکھا "ماں بابا کا موبائل آپ کے پاس ہے؟" سعیدہ خاتون نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرے پاس تو نہیں ہے۔عالمگیر کے پاس ہوگا ان کی ساری چیزیں لائبریری میں محفوظ کردی تھیں عالمگیر نے" ان کے بتانے پر وہ سوچ میں ڈوبی۔

"ہمم..... منشی لالہ آپ اگر رک سکتے ہیں تو آج یہیں پر رک جائیں میں سب کچھ کنفرم کر کے پھر کو بتاتی ہوں" امراء نے پر سوچ انداز میں کہتے ان کی رائے لی۔

"جیسا آپ کو بہتر لگے" وہ مطمئن سے بولے۔

"ٹھیک ہے پھر میں میر..... "رجسٹر بند کرتے بولتے ہوئے وہ ایک لمحے کو رکی" عالمگیر سے موبائل کر جانچ پڑتال کر کے آپ کو رخصت دیتی ہوں پھر" انھوں نے سعی میں سر ہلایا۔

"ویسے آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟" رجسٹر ان کی جانب بڑھاتے اس نے سرسری سا پوچھا۔

"میری مقررہ تنخواہ نہیں ہے بی بی بس جو مالک دے دے" انھوں نے مسکرا کر کہتے رجسٹر پکڑے اور تھیلے میں رکھنے لگے۔ امراء نے حیرت سے انھیں دیکھا ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ علاء الدین برفات نے ان کی کوئی تنخواہ مقرر نا کی ہو۔

"ایسا کیوں؟" بلآخر اس نے اچھنبے سے پوچھ ہی لیا۔

"بی بی ہمارا اناج فصل سے آجاتا ہے اور پھر چند اور لوگوں کی بھی زمینیں دیکھ لیتے ہیں تو وہاں سے بھی کچھ نا کچھ آجاتا ہے تو تنخواہ کی ضرورت نہیں پڑتی" امراء ابھی بھی بے یقینی سے انھیں دیکھ رہی تھی "یوں سمجھیں کہ ہمارے علاقے میں تنخواہ کا رواج نہیں ہے" اس کی تسلی کیلئے منشی لالہ نے مختصر بتایا۔

"لیکن میں تنخواہ ہی مقرر کروں گی آپ کی" امراء نے سنجیدگی سے کہا تو وہ نا سمجھی سے سعیدہ خاتون کو دیکھنے لگے۔

"امراء" ان کے دیکھنے پر سعیدہ خاتون نے اسے زرنش کی۔

Clubb of Quality Content

"ماں اب معاملات میرے ہاتھوں میں ہیں تو میں اپنی طرح سے سنبھالوں گی" امراء نے اٹل لہجے میں کہا" نہیں تو آپ سنبھال لیں خود ہی "سعیدہ خاتون نے شرمندگی سے اسکی ڈھٹائی کو دیکھا جو سرتاثرات سے انھیں دیکھ رہی تھی" منشی لالہ آپکو اگر اعتراض ہے تو عالمگیر کے ساتھ بات کر سکتے ہیں" امراء اب ان کی طرف گھومی لہجے میں تھوڑی نرمی تھی۔

"نا بی بی" انھوں نے گھبرا کر ہاتھ کھڑے کیے "جیسا مالک بولے ہم ویسا ہی کرتا ہے"

امراء کو ان پر ڈھیروں ترس آیا شرمندگی بھی ہوئی مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دی۔

"ٹھیک ہے پھر پچاس ہزار بہت ہے؟" امراء نے اپنے بیگ سے موبائل فون نکالتے مصروف انداز میں پوچھا تو وہ رضامندی سے سر ہلا گئے۔

"جیسا بہتر لگے آپ کو بی بی"

"ٹھیک ہے پھر اکاؤنٹ نمبر دیں میں چھ لاکھ ٹرانسفر کرتی ہوں آپ کے اکاؤنٹ میں"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ بی بی" وہ اتنی شاک اور تیز آواز میں بولے کہ امراء کا بھی دل ڈوبا۔ موبائل چلاتا ہاتھ تھما۔ دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ جیسے کوئی گناہ کر دیا ہو۔

"اتنے پیسے کیوں دے رہی ہیں آپ مجھے میں اتنے پیسوں کا کیا کروں گا.....ابھی تو آپ نے پچاس ہزار کہا"

"ہاں تو پچاس ہزار ایک مہینے کی تنخواہ ناں" امراء نے سادگی سے کہا۔

"نا بی بی نا" وہ ہاتھ جوڑتے کھڑے ہوئے "اتنا حق نہیں ہے اس غلام کا" امراء اور سعیدہ خاتون بھی ان کے ساتھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے پر" امراء کو سمجھ نا آیا وہ کیا کہے "اچھا پہلے بیٹھیں تو کھڑے کیوں ہو گئے" وہ شرمندگی سے بول رہی تھی۔ بیگ اور موبائل واپس ٹیبل پر رکھے "اچھا نہیں دیتی زیادہ پیسے" وہ مصلحت طور کہنے لگی تو انھیں کچھ ڈھارس ملی۔ امراء نے سعیدہ خاتون کی گھوریوں کو نظرانداز کرتے پانی کا گلاس اٹھا کر انھیں پکڑایا" کسی دن آؤں گی میں پشاور دیکھوں تو سہی کہ وہاں کے لوگ بنا پیسے کے کیسے زندگی گزار رہے ہیں" اس کی بات پر منشی لالہ نے پانی پیتے دائیں بائیں سر ہلایا۔ گلاس سامنے پڑی میز پر رکھتے پگڑی کے کنارے سے لبوں کو پونچھا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"پشاور مت آئیے گا بی بی"

"کیوں؟" امراء نے حیرت سے پوچھتے پہلے انھیں اور پھر سعیدہ خاتون کو دیکھا۔

***********

محل کی در و دیوار میں جیسے رونق اور روشنی آہستہ آہستہ مدھم ہو رہی تھی۔ ہال کے کونے میں لگی بڑی گھڑی بارہ بجا رہی تھی۔ پورا گھر خاموش تھا، خضر کے کمرے میں سوگواریت ڈیرہ جمائے ہوئے تھی۔ بیڈ کے ایک کونے پر وہ ساکت بیٹھا تھا۔ کمبل زمین پر گرا ہوا، بال بکھرے ہوئے، آنکھیں سرخ اور چہرہ بے نور۔ سامنے میز پر موبائل رکھا تھا، مگر وہ مسلسل اسکرین کو گھورتا جا رہا تھا جیسے اسی میں دشمن کا چہرہ جھلک رہا ہو۔ خضر کے دماغ میں گونجتی ہوئی آوازیں چل رہی تھیں:

"لوگ ہنس رہے ہوں گے مجھ پر... وہ کہہ رہے ہوں گے خضر کا ڈیزائن بھی چوری شدہ ہے۔ سب محنت ضائع ہو گئی۔ میرا خواب، میرا نام... سب ختم!" اس نے غصے میں موبائل اٹھایا اور دیوار پر دے مارا۔ "جھوٹا! غدار! تم نے مجھے رسوا کر دیا!" کمرہ لرز گیا۔ بلائنڈ کے پیچھے سے چاندنی اندر آ رہی تھی، اور وہ روشنی اس کے ٹوٹے ہوئے وجود پر پڑ کر ایک پراسرار منظر بنا رہی تھی۔

خضر کے کمرے سے آتی آوازوں نے احنف کو متوجہ کیا تھا وہ بروقت اپنے کمرے سے نکل کر خضر کے کمرے کی طرف آیا تھا، احنف دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ اس نے دروازہ ناک کرتے اندر آنے کی کوشش کی، مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔

"بھائی چلیں جائیں یہاں سے..... کوئی اندر نہ آئے! سب مجھے اکیلا چھوڑ دیں!" وہ فرش پر گر گیا۔ ہاتھوں سے اپنے بال نوچنے لگا۔ آنکھوں سے بہتے آنسو فرش کو تر کر رہے تھے۔

"میں نے اس پر یقین کیا تھا... اس کے ایک لفظ پر... اور اس نے مجھے زندہ دفن کر دیا۔ یہ دنیا مجھ پر ہنسے گی۔ سب کہیں گے خضر فیل ہو گیا۔ سب کہیں گے میں بیکار ہوں۔

نہیں... میں یہ برداشت نہیں کروں گا۔ مجھے بدلہ لینا ہو گا... کسی بھی قیمت پر!"وہ جنونی سا کہتا کھڑا ہوا، کمرے میں ادھر ادھر چلنے لگا۔ آئینے کے سامنے رکا۔

اپنا عکس دیکھ کر سرگوشی کی:

"یہ کون ہے؟یہ میں ہوں؟یہ خضر؟ نہیں...یہ ایک شکستہ انسان ہے...ایک ٹوٹا ہوا سپنا...ایک ہارا ہوا کھلاڑی۔" پھر وہ آئینے پر مکا مار کر چیخنے لگا۔ شیشہ ٹوٹ گیا،ہاتھ زخمی ہو گیا۔ خون ٹپکنے لگا مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ "خون بہنے دو...یہ میرے دل کا درد ہے۔ جب تک یہ خون بہتا رہے گا مجھے یاد رہے گا کہ میں برباد ہوا ہوں۔اور جب یہ زخم بھرے گا... تب بدلے کا وقت آئے گا!"

چاندنی اور کمرے کی مدھم روشنی میں خضر کا وجود کسی پاگل، کسی دیوانے، کسی جنونی شخص کی طرح لگ رہا تھا۔باہر احنف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے بیگم نوشاد سے دھیرے سے کہا:

"بیگم جان دعا کریں کہ خضر کے دل کا یہ طوفان اسے برباد نہ کر دے۔ ورنہ ہمیں ڈر ہے کہ یہ غصہ انھیں اندھیروں میں کھا جائے گا۔"

کمرے کے اندر خضر فرش پر بیٹھا، خون آلود ہاتھ کو گھورتے ہوئے سرگوشی کر رہا تھا:

"آپ نے کیوں روکا بھائی مجھے..... اس جیسے کمینے شخص کو مر جانا چاہیے تھا..... یا اللہ" اس نے چھت کو دیکھتے فریاد کی" آپ نے بھی نہیں روکا اسے..... آپ نے بھی مجھے تنہا چھوڑ دیا یوں لوگوں کے بیچ تماشا بننے کیلئے "وہ روتے ہوئے فریاد کر رہا تھا مگر رب کہاں بھولتا ہے۔ وہ تو سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ مشکل ہی تو آسانی کا سبب ہوتی ہے۔ کیوں ہماری توکل اتنی کمزور ہے کہ ہم ذرا ذرا دیر بعد اس سے گلے شکوے کرنے لگتے ہیں کیوں ہم ہر شکست ہر نقصان پر اس خدا سے جواب طلب کرتے ہیں جو صرف دینے والا ہے۔ اس نے رحم کرنا خود پر لازم کر دیا ہے تو ہم ناچیز انسان اسے بے رحم کیوں گردانتے ہیں۔ کیوں اس کے فیصلوں پر اعتبار نہیں کرتے؟ کیوں انتظار نہیں کرتے توکل نہیں

کرتے ؟ جب کہ اس نے مشکل کے بعد آسانی کا وعدہ کیا ہے اور فرمایا ہے مجھ سے مانگو اور مجھ ہی سے مانگو میں ہی عطا کرنے والا ہوں (بے شک)۔

* * * * * * * * * *

"مالک علاء الدین کے خاندان والے آپ کو اور عالمگیر بچے کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں..... خون سوار رہتا ہے آپ دونوں کیلئے ان کے سروں پر اس لیے آپ کا وہاں آنا محفوظ نہیں ہے" امراء ڈوبے دل کے ساتھ سعیدہ خاتون کو دیکھنے لگی۔ جن کیلئے یہ انکشاف شاید نیا نا تھا۔

سعیدہ خاتون نے ماریہ کو بلوا کر منشی لالہکے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کا انتظام کروایا اور ان کا کھانا بھی وہیں بھجوادیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

امراء بوتیک جانے کا ارادہ ترک کرتی بیگ اور عبایہ اتار کر صوفیہ کو پکڑاتی لائبریری میں چلی آئی چند ایک درازیں کھول کر دیکھنے کے بعد جب اسے کچھ حاصل نا ہوا تو دل ناچار عالمگیر کو کال ملائی۔

"ہاں امو بولو..... سب خیریت "اس نے کال اٹھاتے فوراً پوچھا وہ دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا شاید وہ اس وقت میٹنگ میں تھا۔

"بابا کا سیل فون کہاں ہے ؟ مجھے مل نہیں رہا یہاں لائبریری میں "امراء نے غصہ جھٹکتے سنجیدہ لہجے میں پوچھا

"تم نے کیا کرنا ہے ؟"عالمگیر کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ وہ سب سے ایکسیوز کرتا ایک طرف ہو کر بات کرنے لگا۔

"سم کارڈ چاہیے ان کا بینک کی ایپ لاگ ان کرنی ہے مجھے منشی لالہ نے جو حساب بتایا ہے اسکی ٹرانزیشن ہسٹری چیک کنفرم کرنی ہے "امراء نے متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھتے تفصیلی طور بتایا۔

"اوہ اچھا" اس کا لہجہ قدرے نارمل ہوا پھر قدموں کی چاپ سنائی دی شاید اس نے جگہ تبدیل کی تھی۔ وہ میٹنگ روم سے نکل کر تیز قدموں سے اپنے آفس کی جانب چل رہا تھا"

مین ڈیسک کے پیچھے جو گولڈن کور والی بک پڑی ہے" اسکے بتانے پر امراء نے متلاشی نظروں سے عقب میں دیکھا موبائل کان سے لگائے وہ کتاب کی طرف بڑھی

"اسے اٹھا کر ڈیسک کے سامنے دوسری دیوار کے ساتھ پڑی کنسول ٹیبل کے پاس جاؤ" وہ اب لیپ ٹاپ آن کر رہا تھا۔

وہ کتاب لیے پلٹی اور اس میز کی طرف چلنے لگی۔

"اوپر ایک سٹار شیپ مصوری بنی ہوگی اس پر رکھو تو کلک کی آواز آئے گی" لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر اس کی انگلیاں اپنی مطلوبہ فائل کی تلاش میں بے چینی اور تیزی سے تھرکنے لگیں

امراء نے بغور اس ٹیبل کا جائزہ لیا جو اسے لگتا تھا محض نمائش کیلئے رکھی گئی ہے مگر اس میں تو راز چھپے تھے۔ اس نے اس کے ہدایات کے مطابق ہی کیا۔

" کنسول ٹیبل کے سامنے غور کرنا اوپری ڈیزائن تھوڑا آگے ہو جائے گا"

امراء نے تھوڑا پیچھے ہو کر غور کیا پھر موبائل اسپیکر پر ڈال کر میز پر رکھتے اسکی اگلی ہدایت پر عمل کیا "اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچنا ایک ہیڈن ڈرار کھلے گی اس میں رکھا ہے" ایک پتلی اور لمبی سی دراز کھلتی چلی گئی۔ جس میں علاء الدین کا موبائل ان کی گھڑی کچھ فائلز اور ایک اخبار رکھا تھا۔۔۔ سم نکال کر ڈرار واپس بند کر دینا اور بک کو بھی اسکی جگہ پر واپس رکھ دینا" عالمگیر نے مزید کہا۔ لائبریری کی دیوار پر لگے سیکیورٹی کیمرے کی لائیو فیڈ ایک اسکرین پر چل رہی تھی۔ عالمگیر نیم تاریک کمرے میں، آدھا جھک کر اسکرین کے سامنے کھڑا تھا۔ آنکھیں ٹھنڈے اور سنجیدہ تجسس سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے امراء کے ہر قدم، اس کی جھجک، اس کی بوکھلاہٹ، سب دیکھ رہا تھا۔

"ہاں مل گیا ہے..... ٹھیک ہے میں بند کر دوں گی" پوری توجہ سے چیزوں کا جائزہ لیتے اس نے کہا اور انگلی سے اسکرین پر چمکتے سرخ بٹن کو دبا کر کال کٹ کر دی۔ پھر چیزوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ موبائل اٹھا کر پاور آف والا بٹن دبایا مگر اسکرین ہنوز سیاہ ہی رہی شاید اس میں چارجنگ نہیں تھی۔ امراء نے مایوسی سے واپس رکھتے اس کے ساتھ پڑے تہہ دار

اخبار کو ہاتھ میں لیتے اس کی پرتیں کھولیں۔ اخبار کے فرنٹ پیج پر علاء الدین برفات کی مسکراتی تصویر کے ساتھ بڑے بڑے حروف میں ان کی موت کی خبر چھپی ہوئی تھی۔ امراء کا دل چند لمحوں میں ویران ہو گیا۔ وہ غمزدہ سی انھیں دیکھنے لگی اور دیکھتی چلی گئی۔ کتنے دن ہو گئے تھے انھیں دیکھے ان کی آواز کو سنے اب تو ان کی تصویر امراء کی یادوں میں دھندلانے لگی تھی۔ امراء نے بھرائی آنکھوں سے انھیں دیکھتے ان کی تصویر پر ہاتھ پھیرا عکس دھندلانے لگا آنکھوں میں کانٹے سے چبھنے لگے امراء نے بے اختیار پلکیں جھپکیں آنسو کی لڑی بے ضبط سی ٹوٹ کر گال سے لڑھکتے ہوئے اخبار کا کونہ بھگو گئی۔ امراء نے ڈوبے دل سے اس گیلی جگہ کو دیکھا۔ جہاں جنرل اشفاق کیانی کی حادثاتی موت کی خبر چھپی ہوئی تھی ان کی تصویر کے ساتھ۔ امراء نے حیرت سے اس چہرے کو دیکھا۔ اس نے یہ چہرہ کہیں دیکھا تھا پہلے بھی۔ مگر کہاں؟ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی مگر ہمیشہ کی طرح اسکی دھندلی یادوں نے اسکا ساتھ نادیا۔ امراء نے الجھن سے اس چہرے کو دیکھتے ہوئے اخبار واپس ویسے ہی تہہ لگا کر رکھا۔ پھر وہ فائلز کی طرف متوجہ ہوئی۔

ہونٹوں پر ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "بالکل وہی کر رہی ہو جس کا ڈر تھا۔۔۔ "اس نے زیرِ لب کہا، اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

اس نے فائلز اٹھائیں تو نیچے رکھا ریشمی میرون کپڑا فائلوں کے ساتھ اٹھا اس نے الجھن سے اسے واپس اسکی جگہ پر رکھا اور اسی بے ترتیبی میں اس کی نظر سامنے لگی پینٹینگ کے شفاف شیشے میں پہلے اپنے عکس پر پڑی اور پھر آنکھوں میں کونے میں لگا سیکیورٹی کیمرہ کھٹکا جو کہ عالمگیر نے علاءالدین کی موت کے بعد جگہ جگہ نصب کروائے تھے۔

"کہیں وہ مجھے دیکھ تو نہیں رہا؟" دل میں خدشہ جگا اس نے چور نظروں سے ساتھ والی دیوار کے کونے پر لگے سی۔ سی ٹی۔ وی کیمرہ کو دیکھا۔ اس نے سم لینے کا کہا تھا پھر یہ تفصیلی تفتیش کیوں کر رہی تھی؟۔ اسے اپنا آپ چور معلوم ہوا۔ جلدی سے فائلز واپس ان کی جگہ پر رکھتے موبائل کے ساتھ رکھی پن کی مدد سے سم نکالتے اس نے واپس دراز بند کر دی اور اوپر سے کتاب اور اپنا موبائل اٹھایا کتاب کو واپس اس کی جگہ پر رکھتے فوری طور پر لائبریری سے باہر کو بھاگی۔

عالمگیر نے گہری اور سکون بھری سانس لیتے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو آف کر دیا اور آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں اور پھولی سانسوں کے بیچ اس نے کانپتے ہاتھوں سے بے ترتیبی سے لفٹ کا بٹن پریس کیا۔ وہ سم کو مٹھی میں مضبوطی سے قید کیے ہوئے تھی۔ لفٹ اگلے ہی لمحے گراؤنڈ فلور پر رکی وہ جلدی سے باہر نکلی اور نظریں سامنے ڈرائنگ روم پر پڑیں آنکھوں کے سامنے اس رات کا منظر لہرا گیا۔ ہر سو اندھیرا چھا گیا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ بند تھا اور ایک آدمی علاء الدین برفات سے ہمکلام تھا۔ اس نے نظریں گھما کر امراء کو دیکھا ۔اور امراء وہیں برف ہو گئی۔ وہ جنرل اشفاق کیانی تھا۔ جنرل اشفاق کیانی ہی تھا۔ امراء کا تنفس تیز ہوا آنکھیں وحشت زدہ سی کیفیت میں پھٹی پھٹی سی دکھائی دیں۔ کوئی اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ مسلسل لیکن وہ ہل نہیں پا رہی تھی۔ پھر اس نے دونوں کندھوں سے تھامے جھنجھوڑا۔ امراء نے اس تاریکی سے نکلنے کی کوشش کی مگر اشفاق کیانی کی نظریں اسے جامد کیے ہوئے تھیں۔ پھر اس شخص نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اسکا چہرہ اٹھایا۔

تاریک منظر کانچ کی طرح ٹوٹا اسے کرچیاں ہوا میں اڑتی محسوس ہوئیں۔ نظروں کے سامنے ابراھیم کا چہرہ تھا۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا مگر اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ پھر وہ بے سدھ سی کیفیت میں پیچھے کو گری۔

**************

سردیوں کی نرم گرم دھوپ گرمیوں میں بدلنے لگی تھی مگر موسم بہاراں ہر طرف پھول پھیلائے ہوئے تھی۔ مگر مرزا محل کے باسیوں کے دل اداس تھے۔ خضر چپ چاپ اپنے کمرے میں سویا رہتا با کسی سے بات کرتا نا ٹھیک سے کھانا کھاتا۔ آفس تو آنا جیسے وہ بھول ہی گیا تھا۔ احنف ہی خطاف کی ذمہ داریاں سنبھالنے لگا تھا۔ اس نے ٹیم بھی بڑھا دی تھی۔ ڈیزائن چوری ہونے والا معاملہ بھی اس نے خود کافی خوش اسلوبی سے سنبھالا تھا۔ اس نے ایک پیغام کے ساتھ ویڈیو ریکارڈ کروا کر سوشل میڈیا پر ڈالی۔

"اگر ہم چور ہوتے تو یوں راتوں رات اپنا بزنس بند نا کرتے، نادم اور اور چور وہی تھے جو شرمندگی اور سچائی کا سامنا کرنے سے بھاگے ہیں ہم آج بھی اسی جگہ، اسی مقام پر کھڑے

ہیں ہوری سچائی کے ساتھ،ہمارے پاس ہماری سچائی ہماری محنت کا ثبوت ہے ان چوروں کے پاس نہیں تھا اسی لیے وہ دم دبا کر بھاگے ہیں۔یہ لڑائی چوری یا الزام تراشی کی نہیں ہے یہ حق تلفی اور وعدہ خلافی کی ہے جو کہ کسی بھی صورت قابل قبول نہیں ہے"اور دیکھتے ہی دیکھتے ویڈیو کو اتنی پذیرائی ملی کہ وہ ڈیزائن جو ڈوبنے کی کا گار پر تھا ہاتھوں ہاتھ پورا اسٹاک بک گیا۔لیکن خضر کا دل راضی نہیں تھا وہ،وہ ذلت اور رسوائی نہیں بھلا پا رہا تھا وہ ٹرولنگ جس کا سامنا وہ کبھی نہیں کرنا چاہتا یا شاید سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔کبھی کبھی کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں سے چاہ کر بھی ہم دوسروں کو باہر نہیں نکال پاتے جب تک کہ وہ خود نا چاہیں۔اسی لیے اس نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

ابھی بھی وہ خطاف سے فارغ ہو کر اپنے آفس میں آکر بیٹھا تھا جب انس(ریسیپشنٹ)نے اسماعیل ڈار کے آنے کی انٹر کام پر اطلاع دی۔احنف نے اسے اندر بھیجنے کو کہا۔خود کا حلیہ درست کرتے دراز میں رکھے پرفیومز میں سے ایک پسندیدہ پرفیوم کو منتخب کرتے خود پر اسپرے کیا اور ان کے استقبال کیلئے ڈیسک سے قدرے دور دروازے کے سامنے کھڑا ہوا۔

کچھ ہی دیر میں وہ انس کے ہمراہ آفس میں داخل ہوئے احنف نے خوشدلی سے مصافحہ کرتے ہوئے انھیں بیٹھنے کا راستہ دیا۔

"معاف کرنا آنے میں تاخیر ہو گئی دراصل میں پاکستان میں نہیں تھا" انھوں نے کوٹ کا بٹن کھول کر بیٹھتے جواز پیش کیا۔ وہ پچپن سالہ ادھیڑ عمر آدمی تھے جن کی سر اور داڑھی کی جڑیں سفید ہو رہی تھی رنگ قدرے گندمی سا تھا اور آنکھوں پر موٹے سے سفید فریم کی عینک جمی ہوئی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہر ایک کام کا وقت مقرر ہوتا ہے شاید تب ہمارا ملنا مقصود نہیں تھا" وہ مسکرا کر ٹھہرے لہجے میں دانشمندانہ انداز میں بات کرتا تھا اسماعیل ڈار کو اتنے کم عمر آدمی سے ملنے میں ملال نہیں ہو رہا تھا۔

"کیا لیں گے آپ؟ چائے؟ کافی؟ جوس؟" احنف نے انٹر کام کا ریسیور اٹھاتے پوچھا۔

"جوس بہتر رہے گا ایسے موسم میں" ان کے کہنے پر سر خم کر کے اس نے انس کو دو گلاس فریش جوس لانے کا آرڈر دیا

"تو؟ میری کمپنی کو خریدنے کی کوئی خاص وجہ؟" وہ بلا تامل مدعے کی بات پر آئے۔

"کچھ خاص نہیں لیکن ہمیں کاروباری دنیا میں جلد از جلد اپنے قدم جمانے ہیں"

"کیوں؟" ان کے پوچھنے پر احنف ایک لمحے کو ٹھہرا۔

"دراصل دشمنوں کے ہاتھ پھیل رہے ہیں ہماری طرف اور ہمیں اپنی حفاظت کیلئے اپنے اور ہمارے اپنوں کے گرد مظبوط دیواریں کھڑی کرنی ہیں تاکہ وہ ہم سے باز رہ سکیں"

اسماعیل ڈار کے چہرے پر حیرت نمایاں ہوئی۔

"ابھی ٹھیک سے کاروباری زندگی میں آئے نہیں ہو اور دشمن پہلے بنا لیے؟"

احنف پھیکا سا مسکرایا "جان بوجھ کر نہیں بنائے اسماعیل صاحب دشمن ہمیں ناقص سمجھ کر الجھ گئے ہیں انھیں ان کی جگہ دکھانی ہے"

"میں جان سکتا ہوں وہ کون ہیں؟" وہ خاصے دلچسپی سے بولے۔ احنف نے جواب دینے کی بجائے الٹا انہی سے سوال پوچھا۔

"آپ کیوں اپنی کمپنی کو یوں ٹکڑوں میں تقسیم کرتے بیچنے پر تلے ہیں"

اس کے پوچھنے پر وہ مسکرائے وہ صرف اتنا ہی بتا تا تھا جتنی سامنے والے کو ضرورت ہو سکتی تھی اور پھر گہری سانس لیتے گویا ہوئے "مجھے بھی دشمنوں کی گرفت نے جکڑ لیا دراصل دوست نما دشمن" احنف نے نا سمجھی سے انھیں دیکھا تبھی انس جوس لیے اندر داخل ہوا وہ دونوں خاموش ہو کر اپنی کرسیوں پر ڈھیلے سے ہو کر بیٹھے۔

"تو کیا میں جان سکتا ہوں آپ کے دشمن کا نام" جوس لینے کا اشارہ کرتے احنف نے پوچھا۔

اسماعیل ڈار نے اسے دیکھا تو یعنی راز کے بدلے راز دینا ہو گا۔

"برفات.....عالمگیر برفات"

"عالمگیر برفات" احنف نے ان کے ساتھ جملہ مکمل کیا ان کا جوس اٹھاتا ہاتھ ٹھٹھکا۔

"جانتے ہو اسے ؟" احنف نے پلکیں جھپک کر تصدیق کی۔

"ہمارا دشمن ایک ہی اسماعیل صاحب" اسماعیل ڈار نے دلچسپی سے اسے دیکھا اور ہی سانس میں جوس ختم کر دیا۔

"تو کیسے ہرانے والے ہو اپنے دشمن کو؟ پلان کیا ہے"

"پلان تو کوئی نہیں ہے فی الحال ہمیں اپنی ساخت مظبوط کرنی ہے تا کہ اس سے مقابلہ کر سکیں"

"اس سے مقابلہ کرنے کیلئے تمہیں ٹینڈرز کی دنیا میں اترنا ہو گا"اسماعیل ڈار نے نیا پتا کھولا تھا

"ٹینڈر؟"وہ نا سمجھی اور حیرت سے انھیں دیکھنے لگا۔

"ہاں ٹینڈر"انھوں نے اوپر نیچے سر ہلاتے کہا"وہ ٹینڈر کی دنیا کا بادشاہ کا کراچی میں کوئی ایسا ٹینڈر نہیں ہے جو اس کی نظروں کے سامنے سے جاتا ہو۔اگر اسے ٹینڈر نہیں ملتا تو وہ اس کمپنی کو خرید لیتا ہے جسے ٹینڈر ملا ہو"

"لیکن ہمیں لگا تھا وہ صرف بیرون ممالک میں ہی امپورٹ ایکسپورٹ کرتا ہے"اسماعیل ڈار ہنسے۔

Clubb of Quality Content

"جو لوگ دور سے دیکھتے ہیں انھیں ایسا ہی لگتا ہے اس نے خود کے بارے میں یہی خبریں ہی مشہور کی ہوئیں ہیں لیکن اصل میں وہ ایک شخص کراچی کی جڑوں میں پھیلا ہوا ہے"

"لیکن ٹینڈر جیتنے کا انھیں پتہ کیسے چلتا ہے۔ میرا مطلب وہ پہلے کیسے جان لیتے ہیں" احنف خاصا حیران تھا۔

"اس کے خاص ذرائع سے"

"آپ کو یہ سب کیسے معلوم؟"

"کیوں کہ ماضی میں میں بھی اس کا اسی طرح شکار ہو چکا ہوں، ٹینڈر جیتنے کے ایک رات پہلے وہ اس کمپنی کے آنر سے ملتا ہے جس نے صبح جیتنا ہوتا ہے یا تو وہ کمپنی خرید لیتا ہے یا پھر اس کے ساتھ پارٹنر شپ کر لیتا ہے اگلی صبح گول میز کانفرنس میں اپنی ایک رات پہلی خریدی ہوئی فتح کا اعلان کرتا ہے"

"گول میز کانفرنس" احنف کیلئے ہر کھلتا راز حیران کن ثابت ہو رہا تھا۔

"تم اپنے دشمن کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے اور تم اس سے لڑنے کا سوچ رہے ہو"

ان کے جتانے پر احنف کو بلا کی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

"کوئی بات نہیں مذاق کر رہا تھا" اس کے چہرے پر خفت امڈتے دیکھ انھوں نے فوراً کہا

"کچھ سالوں پہلے تک مجھے بھی یہ سب معلوم نہیں تھا جب تک کہ میں اس کا حصہ نہیں بنا

.....گول میز کانفرنس عالمگیر کی بنائی ہوئی دنیا کا اہم رکن ہے جہاں ہر ٹینڈر کے اعلان پر شامل ہوئے افراد موجود ہوتے ہیں یہ آٹھ لوگوں کی کانفرنس ہوتی ہے پانچ اس کے وفادار لوگ ہوتے ہیں اور تین باہر کے چھوٹے یا نئے کاروباری شخصیات، وہاں شامل ہوئے ہر فرد کو پانچ لاکھ فیس ادا کرنا ہوتی ہے اور اس کے مطابق وہ پیسہ چیرٹی میں جاتا ہے۔ اگر آپ وہاں شامل ہیں اور ٹینڈر نہیں بھی جیتتے تو بھی اگلے چھ مہینے تک آپ کو کئی ایسے فوائد ملتے ہیں جس سے کہ آپ کی ساکھ مضبوط ہوتی ہے"

"کس طرح کے فائدے؟"

"جیسے کہ آپ اس عرصے میں اگر کسی قانونی کارروائی میں پھنس جائیں یا کسی مالی مشکلات میں پھنس جائیں تو عالمگیر اپنی طور آپ کی مدد کرتا ہے ایک تو وہ وکالت اچھے سے جانتا ہے اس کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں جسے اس کیلئے کسی اور کی مدد لینا پڑے اور دوسرا وہ مالی طور پر اتنا مضبوط ہے کے کسی کی مدد کرنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا" احنف سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر کونسی پہیلی تھی عالمگیر برفات؟

"وہ ایک گھنا جنگل ہے احنف مرزا تم اندر جاؤ گے تو گم ہو جاؤ گے..... تمہیں جو نقصان ہوا ہے بھول جاؤ اسے" کہتے ہوئے وہ اٹھے۔ احنف نظریں جھکائے ذہن میں پینترے ترتیب دے رہا تھا وہ پلاننگ کرنے میں اچھا تھا ہر بہتر فیصلہ اسے اچھے سے کرنا آتا تھا۔

"ہمارا نقصان بھلانے یا معاف کرنے جتنا چھوٹا نہیں ہے اسماعیل صاحب" احنف نے مضبوط لہجے میں انھیں ٹوکتے جھکی پلکیں اٹھا کر نظریں ان پر مرکوز کیں "انجام چاہے جو بھی ہو ہمیں انھیں ٹوٹا ہوا شکست زدہ دیکھنا ہے" اس کے لہجے میں نفرت نمایاں تھی۔ اسماعیل ڈار نے گہری سانس لی۔

"اس لڑائی میں تمہارا نقصان زیادہ ہو گا کوشش کرنا خود کو زندہ بچا لو" وہ پھیکے لہجے میں بولے۔ احنف یونہی انھیں دیکھتا رہا پھر بولا تو وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگے۔

"میرے پرسنل ایڈوائزر بنیں گے آپ؟" وہ ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگے کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا۔

"تم نے شاید سنا نہیں میں اس سے ہارا ہوا ہوں" انھوں نے واپس سے یاد دلایا۔

"ہم نے سنا اور ہمیں اچھے سے یاد ہے"

"تو ایک ہارے ہوئے انسان کو اپنی لڑائی میں شامل کر کے تم خود کو مزید کمزور کیوں کرنا چاہتے ہو"

"ہم خود کو کمزور نہیں مضبوط کر رہے ہیں، کیونکہ اس ہارے ہوئے انسان کو دشمن کا ہر پینترا معلوم ہے تو آپ بتائیے کہ جنگ کا ہر پینترا معلوم ہونے کے بعد اگر ہم تیاری کر کے لڑیں تو نقصان ہمارا زیادہ ہو گا یا ان کا؟" احنف کے چہرے کا اطمینان اور مسکراہٹ اسماعیل ڈار کو واپس بیٹھنے پر مجبور کر گئے۔

"پلان کیا ہے؟"وہ حیرانگی اور دلچسپی سے بولے۔

*************

ابراھیم نے بروقت اسے تھاما۔ تب تک ماریہ اور سعیدہ خاتون بھی اسکی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔ ابراھیم اسے اٹھائے میڈیکل روم میں لاکر بیڈ پر لیٹا دیا۔

"کیا ہوا اسے"سعیدہ خاتون اسکی بائیں ہتھیلی مسلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں وہ ایک جگہ جامد سی کھڑی ہو گئی..... میں کب سے انھیں بلا رہا تھا ان سے پوچھ رہا تھا وہ ایسے کیوں کھڑی ہیں مگر انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا..... پھر بے ہوش ہو گئیں۔

"صوفیہ چیک کرو کیا ہو گیا ہے اسے"سعیدہ خاتون نے پریشانی سے اسے کہا صوفیہ سر ہلاتے اسکی پلس چیک کرنے لگی۔ بلڈ پریشر لو دکھ رہا تھا۔ صوفیہ نے مزید چیک اپ کرنے کے بعد اس کے بائیں ہاتھ میں آئی۔وی انجیکٹ کی. پھر سعیدہ خاتون کی طرف گھومی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے میم۔ بلڈ پریشر کم ہونے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوئی ہیں"
سعیدہ خاتون نے تسلی بھری گہری سانس لی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے" بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا" ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ اپنا کام
کرو۔ میں یہاں ہوں امرا کے پاس تم دونوں کا بہت بہت شکریہ" سعیدہ خاتون نے مشکور
لہجے میں کہا۔ ابراھیم اور صوفیہ سر خم کرتے اپنے کاموں پر واپس پلٹ آئے۔

" کیا ہوا مادام کو" ماریہ جو بے چینی سے کچن سیلیب بجا رہی تھی انھیں آتا دیکھ جلدی سے
ان کی طرف بڑھی۔

"بی۔ پی ڈاؤن ہو گیا ہے" صوفیہ نے بتاتے ہاتھ میں پہنے سفید رنگ کے ڈسپوزل گلوز اتار
کر ڈسٹ بن میں پھینکے۔ ابراہیم خاموشی سے برنر آن کرتا ادھورے بنے کھانے کو مکمل
کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"اتنی اچانک" ماریہ کو حیرت ہوئی۔ صوفیہ نے پلٹ کر اسے گھوری دی۔

"تو اور الارم بجا کے ہوتا ہے بی۔پی لو" اسکی تیوری چڑھانے پر ماریہ "ہونہہ" کرتی ابراھیم کے پاس آ کھڑی ہوئی۔اس نے غور کیا اس کے ہاتھ دھیمے سے کپکپا رہے تھے۔ وہ محض خود کو مصروف کر رہا تھا مگر اندر سے بے چین تھا۔

"کیا ہوا" ماریہ نے اس کے کھڑے ہوتے دھیرے سے پوچھا۔ابراھیم اسکے بلانے پر چونکا اسکی سنہری آنکھوں میں خوف دکھائی دیا۔ابراھیم ماریہ کو ایک نظر دیکھ کر واپس کام میں مصروف ہو گیا۔

"گھبراؤ مت ہو جاتا ہے اکثر ایسا ان کے ساتھ..... تم نے پہلی بار دیکھا ہے ناں" ماریہ نے اسکا چوڑا شانہ تھپتھپا کر تسلی دی اور واپس پلٹنے لگی جب اسکی بات پر ٹھہری۔

"تو کبھی پوچھا نہیں ان سے انھیں کیا پریشانی ہے" ابراھیم سالن کی پتیلی میں چمچ چلاتے پوچھ رہا تھا۔ماریہ کو حیرت ہوئی وہ ایسا کیوں بول رہا تھا" ان کے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ ہے یہ کوئی نارمل نروس بریک ڈاؤن نہیں تھا" ابراھیم مزید بتا رہا تھا اور ماریہ نے بے اختیار

کن اکھیوں سے کچن کا جائزہ لیا۔ صوفیہ ہاتھوں میں کپڑوں کی باسکٹ لیے سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دی۔

"تمہیں کیسے معلوم "ماریہ نے سر گوشی کی طرح پوچھا۔ ابراھیم نے اسے دیکھا۔

"عقل والوں کو سمجھ آجاتی ہے "اسکی بات پر ماریہ کا منہ بنا دل کیا شوربہ ابلتی پتیلی میں اسکا سر دے دے۔

"عالمگیر سر سے پوچھ کے بتاؤں گی تمہیں" دھمکی آمیز لہجے میں تیوری چڑھا کر کہتے وہ بھی کچن سے باہر نکل گئی۔ ابراھیم نے بے اختیار دل میں دبی بھاری سانس خارج کی۔ وہ دن بدن اپنی ذمہ داریوں میں ناکام ہوتا جارہا تھا۔

***********

"ہم ٹینڈر میں بڈ کریں گے پہلے اپنی شکست کیلئے اور پھر اپنی کامیابی کیلئے "وہ جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے اطمینان سے بولا۔

"لیکن میری کمپنی بلیک لسٹ ہے تم اسے خرید کر بھی کچھ خاص حاصل نہیں کر پاؤ گے"

"ہوا کیا تھا آپ کے ساتھ" احنف نے جوس کا آدھا بھرا گلاس واپس میز پر رکھا اور ٹشو باکس سے ایک ٹشو نکال کر ہونٹ پونچھتے میز کے اندر رکھی ڈسٹبن میں پھینکا۔

"لمبی کہانی ہے"

"چھوٹی کر کے سنا دیں" احنف نے کہا تو وہ کھلکھلا دیے۔

"چار سال پہلے میں نے اپنے بھائی کے کہنے پر ٹینڈر میں شمولیت اختیار کی، دو ٹینڈر احسن طریقے سے بخوبی کامیاب ہوئے، پر تیسرا ٹینڈر میرا روڈ کنسٹرکشن کا تھا اور عالمگیر کو وہ چاہیے تھا۔ اس نے میرے ساتھ پارٹنر شپ کی اور ٹینڈر مجھ سے لے لیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے کام کروایا اور منافع کا کچھ مجھے دیا لیکن انہی دنوں کراچی میں مون سون کا موسم تھا موسلادھار بارشیں تھیں۔ فلائی اوور روڈ کا کنسٹرکشن تھا۔ ہیوی ٹریفک اس روڈ پر پھنسی ہوئی تھی اور بارشوں کی وجہ سے روڈ کی تعمیر بھی بری طرح سے متاثر ہوئی۔ روڈ کا کچھ حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ کئی گاڑیوں اور پانچ جانوں کا نقصان ہوا اور کیونکہ ٹینڈر میرے نام سے تھا

تو سارے مقدمات میرے خلاف درج ہوئے۔ اس کی وجہ سے ڈیڑھ سال میں نے جیل میں کاٹے" وہ تفصیل طور بتاتے دلبر داشتہ ہوئے۔

"انھوں نے آپ کی کوئی مدد نہیں کی؟"

"مدد کی تھی اس نے۔ میں نے بتایا ناں وہ بہت اچھا وکیل ہے اپنا ہر کام خود کرنا جانتا ہے۔ اس نے کئی ایسے جواز پیش کیے کورٹ میں کہ جس کی بنا پر کنسٹرکشن کی غلطی کم اور عوام کی غلطی زیادہ لگے"

"وہ کیسے؟" احنف الجھا

"فلائی اوور روڈ پر زیادہ ہیوی لوڈ ٹرکس کی ممانعت ہوتی پر بارش کے باعث اور رستے نا ملنے کے باعث کئی ٹرک اس وقت فلائی اوور پر موجود تھے اور روڈ کا ایک حد تک وزن اٹھانے کی طاقت ہوتی ہے وہ بھی تجاوز ہو چکی تھی پھر کراچی گورنر کو بھجا گیا نوٹس بھی اس نے پیش کیا جس میں بارش میں وہ روڈ نا استعمال کرنے کی صاف صاف ممانعت تھی تو یہ کیس تھوڑا لمبا چلا مگر مجھے کلین چٹ مل گئی لیکن اس کے بعد میری کمپنی کی ساکھ اتنی بری طرح سے

متاثر ہو چکی تھی کہ کوئی ٹینڈر تو کیا ایک سو گز کا گھر بنوانے کو بھی تیار نا تھا اسی لیے پھر میں نے سارے شئیرز مارکیٹ میں سیل کرنے کا سوچ لیا"

"ایم سوری "احنف کو ان کیلئے دکھ ہوا۔ وہ پھیکا سا مسکرائے۔

"کوئی بات نہیں تقدیر کے آگے کسی کی نہیں چلتی"

دونوں کے بیچ گہری خاموشی چھا گئی۔ احنف مزید کڑیوں کو ترتیب دینے لگا۔ اسماعیل ڈار سر جھکائے بیٹھے رہے۔۔

" تو اس کانفرنس ٹکٹ کی جو بینیفٹس ہوتے ہیں وہ استعمال ہو چکے ہیں آپ کے؟"احنف نے خاموشی کو توڑتے گلہ کھنکھارتے پوچھا۔

" نہیں"

"پر وہ کورٹ۔۔اس کا آپ کیلئے کیس لڑنا؟"

"وہ تو اسکی خود کی غلطی تھی ناں"

"اچھا۔۔ پھر تو آپ کو عالمگیر سے رابطہ کر کے اپنی کمپنی کو وائٹ لسٹ کروالینا چاہیے تھا بہت پہلے ہی۔۔۔ آپ کے پاس لائف لائن ابھی موجود ہے ناں اور وہ تو کچھ بھی کر سکتے ہیں تو یہ تو ان کیلئے معمولی بات ہے۔۔۔ نہیں؟" اسماعیل ڈار ہونکوں کی طرح اسے دیکھنے لگے۔ ایسا انھوں نے کیوں نہیں سوچا؟

"میں۔۔" ان کا گلہ سوکھا تھوک سے تر کرتے مزید کہا "میں بات کر کٹ دیکھتا ہوں اس سے"

"بہتر ہے۔۔۔ ہم اپنے وکیل کو کل ہی بلوا لیتے ہیں کاغذات وغیرہ دیکھ لیتے ہیں۔۔۔ جتنی جلدی ہو سکے یہ ڈیل ڈن کرتے ہیں"

" ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں کونسے ٹینڈر میں عالمگیر شامل ہے اور سابقہ ٹینڈرز کی ورک فائل بھی نکلوا کر دیتا ہوں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ یہ کیسے کام کرتا ہے"

"پرفیکٹ" احنف کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ پھیلی "آپ کی تنخواہ کی بات نہیں ہوئی ہمارے بیچ" احنف کو جیسے یاد آیا۔

"دشمن کو مات مل رہی ہے یہی کافی ہے میرے لیے" انھوں نے مسکراتے سادہ لہجے میں کہا۔

"ہمم۔۔۔ لیکن ہم آپ کو ان سب کے بعد بھی اس آفس میں دیکھنا چاہتے ہیں تو شروعات دو لاکھ سے کرتے ہیں اگر آپ کو برا نا لگے تو؟"

"ہمممم۔۔ بہتر ہے" احنف نے مصافحہ کیلئے ہاتھ ملایا۔

"ڈن کرتے ہیں دونوں ڈیل یہیں پر"

"بالکل" انھوں نے ہاتھ کو مضبوط سے تھامتے عہد سے کہا "ہارنے کیلئے تو میری کمپنی کا ٹینڈر کافی ہو گا جیتنے کیلئے کس کا استعمال کریں گے"

"ابھی فی الحال کچھ نہیں معلوم۔۔ اللہ بہت راہ دکھانے والا ہے"

"اور اگر میں کہوں میری نظر میں ایک کمپنی ہے تو؟"

"تو ہمیں خاصا شک ہو گا۔۔۔ قسمت کی اتنی مہربانی ہم سہہ نہیں پائیں گے" احنف نے ڈرے لہجے میں کہا تو اسماعیل ڈار کا بے ساختہ قہقہہ فضا میں گونجا۔

************

عالمگیر نے دن بھر کے معاملات نمٹائے اور عصر کے قریب ڈائمنڈ پیلس واپس آیا۔ پیلس کی فضا عام دنوں کی طرح پر سکون نہ تھی خدام کے قدموں کی چاپ اور سر گوشیاں کسی غیر معمولی بات کا پتہ دے رہی تھیں۔ اسے امراء کی حالت کی خبر ہوئی وہ جلدی سے میڈیکل روم میں داخل ہوا مگر وہ خالی تھا۔ وہ پلٹا تو ماریہ عقب سے چلتی ہوئی آرہی تھی۔

"وہ اپنے کمرے میں ہیں" ماریہ نے ڈرتے ہوئے بتایا۔ وہ میڈیکل روم میں موجود نہیں ہے اس بارے میں وہ پہلے مطلع نہیں کر سکی۔ عالمگیر تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے جلدی سے اسکے کمرے کی طرف بڑھا جہاں سعیدہ خاتون امراء کو سوپ پلانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

عالمگیر کی پریشانی سے سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ بے قراری اور پریشانی سے اسکی طرف بڑھا اور اسکے ماتھے اور گال پر ہاتھ لگا کر حرارت محسوس کی۔ وہ اس عمل کیلئے بالکل تیار نا تھی فوراً بو کھلاتے اس کا ہاتھ تھاما "میر میں ٹھیک ہوں بس ذرا سا چکر آ گیا تھا"

"مجھے بتایا کیوں نہیں" وہ اسے نہیں سن رہا تھا پلٹ کر سعیدہ خاتون سے شکوہ کرنے لگا۔

"اتنی اچانک سب ہوا مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا" انھوں نے فوراً جواز پیش کیا۔ عالمگیر نے افسوس سے سر ہلایا۔ پھر امراء کی طرف گھوما۔

"تیار ہو جاؤ ہاسپیٹل چلتے ہیں چیک اپ کیلئے۔ سی۔ ٹی اسکین کروا لیتے ہیں بہتر رہے گا" وہ جلدی جلدی بولتا خود ہی فیصلہ کر رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں میر سنائی نہیں دیا" امراء نے ڈانٹتے اپنی بات دھرائی اور خفگی سے اسے آنکھیں دکھائیں۔ اس کا مردہ انسان کی طرح دو گھنٹے مشین کے اندر لیٹے رہنا کا بالکل ارادہ نہیں تھا۔

Clubb of Quality Content

"تیار ہو جاؤ میں پانچ منٹ میں چینج کر کے آتا ہوں" وہ بنا سنے کہتے پلٹا پھر دروازے کی چوکھٹ میں رکتے پلٹا "کچھ سادہ سا میٹل فری ڈریس پہن لو" امراء نے شرمندگی سے اسے گھورا "سی۔ٹی اسکین کرتے خوامخوہ چینج کروائیں پھر" وہ مسکراہٹ دباتے چینج کرنے چلا گیا۔

"توبہ ہے اس شخص سے مجھے نہیں پتا کیا کہ سی۔ٹی اسکین کروانے کیلئے کیسے کپڑے پہن کر جانے ہونگے" وہ خفت سے لال ہوئی امراء نے بے بسی اور غصے سے سعیدہ خاتون کی طرف دیکھا،

"اور یہ ہر وقت کیوں اتنا گھبرا جاتا ہے؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" سعیدہ خاتون نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، "بیٹا، وہ تمہیں لے کر ضرورت سے زیادہ حساس ہے اور ٹیسٹ کروانے میں تمہاری ہی بھلائی ہے ناں" امراء ان کی بات سے بالکل بھی متفق نہیں ہوئی بدمزگی سے چہرہ موڑتے اٹھی اور کپڑے تبدیل کرنے باتھ روم چلی گئی۔

کچھ ہی دیر میں عالمگیر دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔اس کے چہرے کی گھبراہٹ اور آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ اس نے ابھی تک کوئی سکون کا سانس نہیں لیا۔وہ اس وقت سیاہ پولو شرٹ اور ڈھیلے ٹراوزر میں ملبوس تھا"چلو امراء،وقت ضائع مت کرو۔"اس کی آواز میں فیصلہ کن لہجہ تھا۔امراء باتھ روم سے نکلتے ناپسندیدگی سے دائیں بائیں سر ہلاتے الماری سے اپنے لیے عبایہ سلیکٹ کر رہی تھی۔تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہاسپٹل کیلئے روانہ ہوئے۔

"تم تینوں کا ناراض رہنے کا کب تک پلین ہے"امراء نے گاڑی میں عالمگیر سے پوچھا۔

عالمگیر نے سینے میں دبی گہری سانس خارج کی۔

"ابھی فی الحال میں اس بارے میں کچھ نہیں بولنا چاہتا.....اور نا ہی سننا چاہتا ہوں"امراء کی طرف دیکھتے اس نے وارننگ دیتے کہا۔ہاسپٹل قریب ہی تھا سو زیادہ دیر نہیں لگی۔وہ دونوں دو سیکیورٹی اہلکار کے ساتھ ہاسپٹل میں داخل ہوئے باقی سیکیورٹی عملہ باہر ہی رکا۔

ڈاکٹر نے تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد کہا:

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہمیں ان کا برین سی ٹی اسکین کروانا ہو گا تاکہ یقین ہو جائے کہ کوئی اندرونی مسئلہ تو نہیں۔"

عالمگیر فوراً راضی ہو گیا۔ "ہاں یہی بہتر رہے گا ابھی کروالیں۔" مگر امراء بالکل بھی راضی نہیں تھی اس نے عالمگیر کو دیکھتے دبکتے ہوئے آنکھیں میچتے نفی میں سر ہلایا "میر، یہ سب فضول ہے، میں ٹھیک ہوں۔" اس نے سرگوشی کرتے ڈانٹ پیسے۔

"اگر تم واقعی چاہتی ہو کہ میں سکون سے سانس لوں... تو یہ ٹیسٹ کروالو۔" عالمگیر نے نرمی مگر سختی سے کہا، اور اسے ناچاہتے ہوئے بھی اسکی بات ماننا پڑی۔

مشین کی آواز اور سفید روشنی کے درمیان امراء کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ عالمگیر باہر بیٹھا انگلیوں کے درمیان تسبیح کی طرح بے صبری سے ہاتھ مروڑ رہا تھا۔ ہر لمحہ ایک صدی لگ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد نرس باہر آئی۔

"ٹیسٹ مکمل ہو گیا ہے، رپورٹ کل تک مل جائے گی۔" عالمگیر نے اطمینان کا سانس لیا، لیکن چہرے پر فکر کی لکیریں بدستور قائم تھیں جب تک کہ اس نے ڈاکٹر سے کنفرم نہیں کر لیا
۔

"رپورٹس تو بالکل نارمل لگ رہی ہیں" ڈاکٹر نے جھک کر کمپیوٹر اسکرین پر نظر آ رہے دماغ کے اسکین کو دیکھتے بتایا۔ ساتھ کرسی پر ریڈیولوجی ٹیکنیشن بیٹھا تھا جو اسے تصویریں آگے پیچھے کرتے تفصیل سے دکھا رہا تھا۔ (ریڈیولوجی ٹیکنیشن/ٹیکنالوجسٹ۔ وہ مشین چلاتا ہے، مریض کو ہدایت دیتا ہے کہ کس طرح لیٹنا ہے اور کب سانس روکنا ہے۔ وہ زیادہ تر شیشے کے پار کنٹرول روم میں بیٹھ کر اسکین کرتا ہے، لیکن مریض کو مسلسل دیکھ اور سن سکتا ہے)

پھر ڈاکٹر سیدھے ہوتے عالمگیر کی طرف مڑا "ماضی میں کوئی میڈیکل ریکارڈ ہے ان کا؟"

عالمگیر ایک لمحے کو خاموش ہو گیا۔ ایک نظر اسکرین اور دوسری نظر شیشے کے پار مشین کے اندر لیٹی امراء پر ڈالی۔

"نہیں تو" اس نے سفاکیت سے کہا۔

"پھر تو پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے" ڈاکٹر نے تسلی دیتے کہا اور اس کا کندھا تھتھپاتے روم سے باہر نکل گیا۔ عالمگیر نے پر سوچ نظروں سے اسکرین کو دیکھا۔ کئی بار ہمیں وہ چیزیں نہیں دکھتی جو وجود تو رکھتی ہیں مگر ہم انھیں بیان نہیں کر سکتے۔

جب وہ گھر پہنچے تو امراء تھکن سے بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سعیدہ خاتون نے اسے سہارا دے کر بستر پر لٹایا اور ہلکی سی رضائی اوڑھا دی۔ عالمگیر دروازے کے قریب کھڑا بس اسے دیکھ رہا تھا۔

امراء نے آنکھیں بند کیں "یہ شخص صرف میر نہیں، میرا سایہ ہے" دل میں سوچتے اس نے آہستہ سے کروٹ بدلی اور زیرِ لب کہا "میں ٹھیک ہو جاؤں گی... تم پریشان ہونا چھوڑ دو" عالمگیر نے وہ مدھم الفاظ سن لیے، مگر خاموش رہا۔ اس نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور آہستہ سے کمرے سے باہر نکل گیا، جیسے اس کے سکون کی حفاظت کے لیے خود پر پہرا بٹھا رہا ہو۔

"حنام اور میمانے کھانا کھایا؟" کچن کے پاس سے گزرتے اس نے صوفیہ سے پوچھا۔

"جی سر "اس نے تابعداری سے بتاتے نظریں جھکائیں "وہ دونوں اپنے کمرے میں ہی کھانا منگوا کر کھا رہی ہیں"

"اچھا" سرسری سا کہتا وہ سیدھا لائبریری میں آیا اور باس چئیر پر بیٹھتے سر اسکی پشت پر گرا دیا۔ وہ تھکن سے چور تھا پہلے آفس پھر ہاسپٹل اوپر سے مریم اور حنام کی فکر۔ بے چینی سے ٹانگ ہلاتے۔ کرسی کے بازو پر پیانو کی طرح بے چینی سے انگلیاں بجا رہا تھا ایک فیصلہ تھا جس کے اختتام پر وہ نہیں پہنچ پا رہا تھا اس کے دماغ کی شریانیں تنی ہوئی تھیں۔ وہ کنپٹی مسلتے بے بس سا سیدھا ہو بیٹھا۔ میز پر ڈھانپ کر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر کورلڈ سائیڈ میں پھینکتے ایک ہی سانس میں پورا گلاس پانی کا پی گیا۔ پھر دلِ ناچار دائیں طرف کی درزاوں جو کے علاءالدین برفات کے سامان سے بھری ہوئی تھیں میں سے تیسرے نمبر والی دراز کھولتے مطلوبہ چیز اٹھائی اور واپس نیچے چلا آیا۔

***********

اسماعیل ڈار سے باقی معاملات طے کر کے جب احنف گھر لوٹا تو اس کا دماغ اور اعصاب جیسے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے۔ قدم بھاری لگ رہے تھے، آنکھوں میں بوجھ اور دل میں تھکن کی تہیں۔ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا، کپڑے ایک طرف پھینکے اور ٹھنڈے پانی کا شاور لیا۔ پانی کے قطرے جیسے وجود سے تھکن کا زہر کھینچ رہے تھے۔

کچھ ہی لمحوں بعد وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ نیند کی دیوی نے آ کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

رات تقریباً گیارہ بجے آنکھ کھلی۔ کمرے میں مدھم اندھیرا تھا، کھڑکی کے شیشے سے چاندنی اندر اتر رہی تھی۔ وہ سستی اور کسلمندی سے اٹھا، گھر میں خاموشی اور مدھم اندھیرے کا راج تھا سب سوئے ہوئے تھے شاید۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم بھرتا باہر لان کی طرف آیا۔ لان میں ہلکی ہوا چل رہی تھی، گھاس شبنم سے بھیگی تھی۔ خضر ایک کرسی پر بیٹھا دور خلا میں نظریں جمائے تھا، جیسے کوئی بوجھ دل پر لیے بیٹھا ہو۔

احنف نے نرمی سے قریب جا کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ "کیسے ہیں، خضر؟" یہ کہہ کر وہ آہستہ سے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ خضر خاموش رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا بوجھ اور لبوں پر چپ کی مہر لگی تھی۔

احنف نے غور سے اسے دیکھا۔ دل میں کچھ کھٹکا ضرور مگر وہ بھی خاموش رہا۔ لمحے لمحے کی یہ خاموشی اور بھی بھاری لگنے لگی۔ آخر کار احنف نے بات چھیڑی:

"آج ہم اسماعیل ڈار سے ملے تھے... اچھے آدمی ہیں، بات چیت عمدہ رہی۔ ان کے ساتھ مل کر ہم نے کچھ بڑا پلان کیا ہے۔" وہ بول رہا تھا مگر خضر کے چہرے پر نا سمجھی کا تاثر نمایاں ہوا۔ "ہمیں جیتنے کے لیے پہلے ہارنا ہو گا۔ اور ہم ہار جائیں تو یہ مت سمجھئیے گا کہ ہم بزدل ہیں۔ ہم پر بھروسہ رکھیے گا ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے" یہ جملہ خضر کے لیے چونکانے والا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے بھائی کو دیکھا" کیا مطلب ہے آپ کا؟" احنف کی نظریں سخت اور پر عزم ہو گئیں۔

"بعض اوقات آگے بڑھنے کے لیے دو قدم پیچھے لینا ضروری ہوتا ہے، تاکہ دشمن مطمئن اور غیر محتاط رہے۔ جب وہ کمزور پڑے گا، تب ہم وار کریں گے۔ اور جب ایسا ہو تو ہم چاہتے ہیں آپ ہم پر پورا بھروسہ رکھیں ہم اپنا وعدہ نہیں بھولے ہیں"" احنف نے گہری سانس لی، اس کی آنکھوں میں تھکن کے باوجود ایک عزم جھلک رہا تھا۔

خضر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ "بھائی... میں آپ پر بھروسہ کر کے ہی خاموش ہوں۔"

احنف کے چہرے پر پہلی بار سکون اتر آیا۔ وہ آہستگی سے مسکرا دیا۔

"کھانا کھایا آپ نے؟" خضر نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر آئیں۔ آج ساتھ کھاتے ہیں۔ ہمیں تو بہت بھوک لگی ہے۔" احنف خوش مزاجی سے بولا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خضر بھی دھیرے دھیرے اٹھا۔

"بھائی... کل جب آفس جائیں، مجھے لیے بغیر مت جائیے گا۔"

احنف نے قہقہہ لگایا اور کندھے پر ہاتھ مارا۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

"موڈ، ٹھیک ہو گیا جناب کا؟ ساتھ چلیں گے ہمارے،" خضر نے اثبات میں سر ہلاتے سنجیدگی سے کہا" ہمم... اکیلا نہیں چھوڑ سکتا آپ کو، کم از کم ابھی کے لیے تو بالکل نہیں۔

"اچھا... یہی تو چاہیے ہمیں ہمارے کھویا ہوا ساتھی، ہمارا کندھا ہمارا بھائی۔" مضبوطی سے اسکے کندھے کو پکڑا۔ تو وہ شرمندگی سے سر جھکا گیا" فی الحال عدیل صاحب کو بلائیے کچھ بنا کر دیں۔۔۔ بھوک سے ہمارے پیٹ میں چھوٹے دوڑ رہے ہیں"

"اسے اٹھانا بھی ایک معرکہ ہے" لان کی خاموش فضا میں دونوں کی ہنسی گونجی۔ رات کی خنکی میں جیسے وہ لمحہ ایک عہد میں بدل گیا۔

***********

پانچ فٹ لمبی میز میں دائیں بائیں پتلی مگر کثیر تعداد میں درازیں بنی ہوئی تھیں دائیں طرف میں علاء الدین برفات کا سامان جبکہ بائیں طرف میں عالمگیر کا سامان رکھا ہوا تھا۔

وہ کچن کے ڈائننگ ڈیسک پر آبیٹھا اور صوفیہ کو ایک گلاس پانی لانے کو کہا۔ وہ حکم کی تابعداری کرتے ٹرے میں گلاس رکھے اس کے پاس آئی۔ گلاس اٹھا کر ڈیسک پر رکھنے

لگی مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ پھر ہاتھ میں پکڑے ایک سفید رنگ کا کیپسول ٹرے میں رکھا"یہ لے جا کر امراء میڈیم کو کھلادو"صوفیہ سے کہا۔ وہ سر خم کرتے فوراََحکم پر عمل درآمد ہوئی اور امراء کے کمرے میں چلی آئی۔ سعیدہ خاتون جو لائٹس آف کرتے کمرے سے جانے کے ارادے سے کھڑی تھیں اسے دیکھ کر ٹھٹھکیں۔

"عالمگیر سر نے امراء مادام کیلئے میڈیسن بھجوائی ہے"اس نے آنے کی وجہ بتائی امراء نے حیرت سے مڑ کر چہرہ موڑ کر صوفیہ کو دیکھا۔"ڈاکٹر نے تو کوئی میڈیسن نہیں لکھ کے دی تھی؟"

صوفیہ لاعلمی طور پر اسے دیکھنے لگی۔ امراء نے بیڈ سے اتر کر ٹرے کا جائزہ لیا اور گولی اٹھا کر ہوا میں بلند کرتے تفتیشی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ پھر جیسے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔

"کیا ہوا؟"سعیدہ خاتون نے اس کے چہرے کے زاویے بدلتے دیکھ پوچھا۔ مگر اس نے جواب نہیں دیا۔

"میر کہاں ہے اس وقت"

"کچن میں" صوفیہ نے سہمے لہجے میں کہا۔ امراء تیز قدموں سے بنا چپل کچن کی طرف بڑھی۔

"میر..... میر" وہ لاابالی طور اسے پکار رہی تھی وہ ابھی بھی وہیں ڈیسک کے پاس کلب چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کی طرف متوجہ ہوتے اس نے کرسی کو گھمایا۔

"یہ کس چیز کی گولی ہے؟" امراء نے پھولتی سانسوں میں گولی اسکی نظروں کے سامنے کرتے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" عالمگیر کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔

"کچھ سال پہلے بابا مجھے یہی دوائی دیتے تھے..... یہ کس چیز کی دوائی ہے؟" عالمگیر نے ہاتھ میں پکڑا گولیوں کا پتا اس کے سامنے کیا۔

"یہ تو پیناڈول ایکسٹرا ہے..... سر درد کی گولی" عالمگیر نے سادہ لہجے میں بتایا۔ امراء نے حیرت سے اسے اور گولیوں کے اس پتے کو دیکھا پھر بھی یقین نا ہوا تو چھیننے کے انداز سے اس کے ہاتھ سے لے کر ہاتھ میں پکڑی گولی اور باقی گولیوں کو ملا کر دیکھنے لگی۔ پھر احساس ہوتے شرمندگی سے اسکے کندھے ڈھلکے۔

"ایم سوری" پتا واپس کرتے اس نے خفت سے ماتھے کے درمیان دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اوٹ بنائی" آئی ڈونٹ نو بابا مجھے کس چیز کی دوائی دیتے تھے، تمہیں یاد ہے ناں تقریباً چھ سال پہلے....."

"نہیں "عالمگیر نے اسکی بات کاٹتے سفاکی سے کہا" تم شاید بھول رہی ہو میں تب لندن میں تھا لاء کی پریکٹس کیلئے "

"اوہ ہاں" جیسے یاد آیا "سوری تمہیں تنگ کیا "اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ تبھی صوفیہ بھی کچن میں چلی آئی۔

" تفتیش کرلی ہو تو چپ چاپ ٹیبلٹ کھاؤ اور آرام سے سو جاؤ "عالمگیر کے سنجیدگی سے کہنے پر اس نے منہ بسورا۔ کہا کچھ نہیں۔ دوائی کھائی اور چپ چاپ واپس کمرے میں چلی گئی صوفیہ بھی ٹرے لیے سنک کے پاس برتن دھونے چلی گئی۔ اس کے جاتے عالمگیر نے گولیوں کا پتہ بدمزگی سے ڈیسک پر پھینکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پینٹ کی جیب سے پیناڈول کی گولی نکال کر فرش پر پھینکی اور بھاری بوٹ سے مسل کر پاؤڈر بنا دیا۔

"یہاں پر موپ کر دو" صوفیہ سے کہا اور سکون کی سانس لیتے اپنے کمرے میں سونے کی غرض سے چل دیا۔

کچھ رازوں کی حفاظت تاعمر کرنا ہوتی ہے۔ وہ چاہے اپنے ہوں یا کسی بچھڑے ہوئے انسان سے وابستہ.....!

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

خضر آہستہ آہستہ اپنے خول سے باہر آرہا تھا۔ وہ جو پہلے کمرے تک محدود اور خاموش سا رہتا تھا، اب احنف کے ساتھ آفس جانے لگا تھا۔ اس کی شرکت نے مرزا محل میں ایک نئی جان ڈال دی تھی۔ وہ سنسان راہداریاں جو کچھ دنوں سے خالی خالی لگتی تھیں، اب پھر سے آباد دکھائی دینے لگیں۔ خدام اور عملے کے چہروں پر مصروفیت اور زندگی کی رمق لوٹ آئی تھی۔ مگر سب محسوس کر رہے تھے کہ خضر پہلے والا خضر نہیں رہا۔ پہلے جیسی قہقہے دار ہنسی، ہلکے پھلکے جملے اور شوخی اب اس کے مزاج سے غائب ہو چکی تھی۔ اگر وہ کبھی مسکرا بھی دیتا تو مسکراہٹ آنکھوں میں ادھوری رہ جاتی، جیسے کوئی بوجھ اس کے دل پر مستقل سوار ہو۔

مرزا محل کے لوگ اس تبدیلی کو دیکھتے تو ضرور تھے، مگر زبان پر لانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔

ادھر احنف کاروباری معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ کچھ پیچیدہ امور ایسے رخ اختیار کر چکے تھے جن میں فوری قانونی مشورے کی سخت ضرورت تھی۔ وہ جانتا تھا تاخیر نقصان دہ ہو گی۔ اس نے پہلی فرصت میں اپنے پرانے شناسا، تجربہ کار وکیل طالب وڑائچ کو کال ملائی اور آفس آنے کی ہدایت دی۔ طالب وڑائچ ان کے فیملی فرینڈ تھے۔ مرزا صاحب اور زاویار کی بدولت اس کے پاس اچھے اور مضبوط کاروباری کنیکشن تھے۔ تو اسے معاملات نبھانے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آ رہی تھی۔ فون بند کرتے ہوئے احنف کے چہرے پر تھکن اور سنجیدگی واضح جھلک رہی تھی۔

احنف نے انٹر کام پر انس کو فوراً چائے کے لوازمات لانے کی ہدایت دی۔ وہ جب تک اپنے ہاتھ سے مکس کی ہوئی چائے کا مزہ نہیں اٹھا لیتا تھا اسکی تھکاوٹ یونہی برقرار رہتی۔ کچھ ہی دیر میں انس نے ٹرے سجا کر سامنے رکھی، بھاپ اڑاتی چائے کے ساتھ چھوٹے

چھوٹے سنیکس بھی رکھ دیے۔ خضر اور اسماعیل صاحب بھی وہیں موجود تھے۔ تینوں نے ساتھ بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لیں، اور کمرے میں ہلکی سی تازگی بھری خوشبو پھیل گئی۔ کچھ ہی دیر بعد دروازے پر دبے قدموں کی چاپ ابھری۔ احنف چونکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے طالب وڑائچ صاحب تھے، وہ وکیل جو صرف کورٹ کے اندر ہی نہیں بلکہ باہر بھی اپنی وقت کی پابندی کے لیے مشہور تھے۔ ان کے دھیما سا مسکراتے چہرے اور سنجیدہ انداز نے کمرے کی فضا کو اور وقار بخش دیا۔

"السلام علیکم انکل! کیسے ہیں آپ؟" احنف نے خوشی سے آگے بڑھ کر انھیں گلے لگایا۔

طالب صاحب نے ہنستے ہوئے جواب دیا "وعلیکم السلام بیٹا، میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ لیکن تم خاصے بدلے ہوئے لگ رہے ہو۔" وہ احنف کو بغور دیکھ رہے تھے۔ کہاں وہ چند سال پہلے والا لاابالا، شوخ مزاج احنف تھا، اور کہاں آج یہ کاروبار کی دنیا کا نکھرا ہوا، سلجھا ہوا احنف، جو اپنے لہجے اور آنکھوں سے بھی ذمہ داری جھلکا رہا تھا۔

"بس انکل..." احنف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آفس تو واقعی بہت اچھا بنایا ہوا ہے۔"

طالب وڑائچ نے آفس پر ایک سرسری نظر ڈالی، دیواروں پر سجی تصویریں، میز پر قرینے سے رکھی فائلیں، اور کمرے کی پُروقار سجاوٹ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے بولے۔ مگر فوراً ہی ان کے نقوی چہرے پر تھوڑی سنجیدگی چھا گئی۔

"ہاں لیکن... مجھے یہاں کوئی پروفیشنل اسٹاف دکھائی نہیں دے رہا۔"

"جی انکل۔۔۔ ہمارا کام ہی ایسا ہے زیادہ اسٹاف کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی" احنف کے کہنے پر وہ خاصے حیران ہوئے۔ احنف نے انھیں رستہ دیتے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"یہ اسماعیل ڈار صاحب ہیں، ہمارے پرسنل ایڈوائزر۔" احنف نے ان کے قریب آتے ہوئے تعارف کروایا۔ طالب وڑائچ نے سراہتی اور جانچتی نگاہوں سے اسماعیل صاحب کو دیکھا، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مصافحہ کیا۔

"جی، خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

پھر احنف نے خضر کی طرف اشارہ کیا "اور یہ ہیں ہمارے چھوٹے بھائی، خضر حیات۔"

"خوشی ہوئی مل کر۔" طالب صاحب نے رسمی سا جملہ کہا اور وقار کے ساتھ صوفے پر براجمان ہو گئے۔ خضر اور اسماعیل صاحب نے اشارہ پا کر خاموشی سے کمرہ چھوڑ دیا تاکہ گفتگو اکیلے میں ہو سکے۔

اب کمرے میں صرف احنف اور طالب وڑائچ موجود تھے۔ احنف نے سربراہی صوفہ سنبھالا، اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو بیٹا، مجھے کیسے یاد کیا؟"

احنف نے لمحہ بھر توقف کیا، پھر صاف اور پُراعتماد لہجے میں بولا "دراصل، ہم اسماعیل صاحب سے ایک کمپنی خرید رہے ہیں۔"

"کمپنی؟" طالب وڑائچ نے چونک کر دہرایا۔ ان کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ سنجیدگی بھی اتر آئی۔ وہ احنف کو غور سے دیکھنے لگے، جیسے پرکھ رہے ہوں کہ وہ مذاق تو نہیں کر رہا۔

"جی انکل، کمپنی۔" احنف نے اطمینان سے کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ تمام کاغذی کارروائی آپ کی نگرانی میں ہو۔ اس سے پہلے بھی ہم نے ایک دوست وکیل کے ذریعے زمین خریدی تھی، لیکن اس کے کاغذات اب آپ سے چیک کروانے ہیں۔"

"تو مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے تمام بڑے فیصلوں کے لیے مکمل قانونی سرپرستی چاہتے ہیں؟"

"بالکل انکل۔" احنف نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

"ہمیں ان چیزوں کا زیادہ علم نہیں ہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ سب کسی بھروسے مند اور تجربہ کار شخص کی نگرانی میں ہو۔"

"ہمم" طالب صاحب ہونٹوں پر انگلی رکھے سوچ میں ڈوبے "زمین کے کاغذات دیکھ سکتا ہوں؟"

"جی بالکل!" احنف نے فوراً جواب دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے میز کی طرف آیا۔ کمرے میں اس کے قدموں کی چاپ کے ساتھ لمحاتی سکوت چھا گیا۔

اس نے جھک کر میز کے نیچے لگا کیبن کھولا۔ اندر ایک مضبوط سیف رکھی تھی، جس پر چمکتی ہوئی اسٹیل کی ہینڈ لنگ نظر آ رہی تھی۔ احنف نے اپنی جیب سے چھوٹی سی چابی نکالی اور سیف کے لاک ہول میں ڈالتے گھمائی۔ تالا کھولنے کی مخصوص کلک کی آواز گونجی۔ کمرے کی خاموشی میں وہ آواز غیر معمولی طور پر نمایاں لگ رہی تھی۔ سیف کے اندر قرینے سے رکھی فائلیں نظر آئیں۔ کالی جلدوں میں بند معاہدے، کچھ مہر لگے ہوئے کاغذات۔ وہ کالی جلد والی تین فائلز نکال کر سیف واپس لاک کرتے پلٹا اور دوبارہ اسی صوفے پر آبیٹھا۔

"یہ وہ کاغذات ہیں جنہیں سب سے پہلے آپ کی آنکھوں سے گزرنا چاہیے" احنف نے فائلز ان کی جانب بڑھائیں طالب وڑائچ نے خاموشی سے فائل اپنے ہاتھوں میں لیتے اس کی جلد

پر ہاتھ پھیرا، جیسے کاغذات نہیں بلکہ احنف کی نیت اور ارادے کو پرکھ رہے ہوں۔ پھر انہوں نے عینک کے پیچھے سے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "چلو، دیکھتے ہیں تم نے کون سا کھیل شروع کیا ہے..." احنف دھیرے سے مسکرا دیا۔ وہ ایک ایک صفحے کو بغور جانچتے کاغذات کا بغور جائزہ لینے لگے۔

"یہ زمین کس نے دلوائی ہے" وہ حیرت سے پوچھ رہے تھے نظریں کاغذات پر ہی تھیں۔

"کیوں؟" احنف کا دل ڈوبا "کوئی مسئلہ ہے؟ فراڈ ہوا ہے ہمارے ساتھ؟" اس کا سانس سوکھ گیا۔

طالب وڑائچ نے کاغذات سے نظریں ہٹا کر نفی میں سر ہلایا۔ ان کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی تیر رہی تھی۔ انہوں نے عینک اتاری، اور براہِ راست احنف کی آنکھوں میں دیکھا "نہیں، فراڈ نہیں ہوا۔ یہ زمین اصل ہے، سب کچھ قانون کے مطابق درج ہے۔" وہ لمحہ بھر رکے، پھر ہلکی سی سانس بھرتے ہوئے بولے:

"مگر بیٹا... یہ زمین کسی عام آدمی کو یوں نہیں ملتی۔ اتنی قیمتی جگہ کا الاٹمنٹ صرف تب ممکن ہے جب پیچھے کوئی بہت بڑی اور اعلیٰ شخصیت کھڑی ہو۔ تبھی تو پوچھ رہا ہوں، یہ کس نے دلوائی ہے؟"

کمرے میں سکوت چھا گیا۔ ایئر کنڈیشنر کی ہلکی گنگناہٹ بھی جیسے مدھم پڑ گئی۔ احنف نے نظریں جھکا لیں، اس کے دل میں وسوسے اور خدشے سر اٹھانے لگے تھے۔

"ہم نے تو ایک ڈیلر کے ذریعے یہ زمین خریدی ہے ابھی کچھ وقت قبل" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ دھیمے لہجے میں بتا رہا تھا طالب وڑائچ اسکی بات سے ذرا مطمئن نا ہوئے۔

"تمہارے بھائی یا والد نے مدد کی ہوگی" یہ انکشاف شاید احنف کیلئے کافی شاکنگ تھا۔ زاویار سے تو اسے بالکل امید نا تھی۔ تو کیا مرزا صاحب اسے اپنی نگرانی میں رکھے ہوئے تھے؟۔ کئی سوال اس کے اندر پنپنے لگے تھے۔

اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی دیکھ طالب وڑائچ نے فائلیں بند کر کے اس کے حوالے کیں "کاغذات بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔ لیکن کمپنی ڈوبی ہوئی ہے اسے خریدنے کے بارے میں دوبارہ سے سوچ لو"

احنف نے سر خم کرتے فائلز ان کے ہاتھ سے لے کر درمیان میں رکھی سیاہ رنگ کی شیشے کی میز پر رکھیں "ایک اور بات بھی پوچھنی تھی آپ سے"

"پوچھو؟"

"کسی کاروبار کے کیس کا فیصلہ اگر سندھ ہائی کورٹ میں ہو چکا ہو تو کیا کسی اور کورٹ میں اس فیصلے کو بدلنے کی درخواست دی جا سکتی ہے؟ یعنی فیصلہ اگر ہمارے حق میں نا آیا ہو؟"

"اگر کسی کاروباری کیس کا فیصلہ سنگل بینچ (یعنی ایک جج) نے کیا ہے تو آپ اس فیصلے کے خلاف انٹرا کورٹ اپیل (ICA) سندھ ہائی کورٹ کے ڈویژن بینچ (دو ججوں والا بینچ) میں دائر کر سکتے ہیں" وہ اسے سادہ لفظوں میں سمجھانے لگے "اگر فیصلہ پہلے ہی ڈویژن بینچ نے دیا ہے، تو پھر ہائی کورٹ کے اندر مزید اپیل نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کیلئے سپریم کورٹ جانا ہو گا

۔سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد اگلا فورم سپریم کورٹ آف پاکستان ہے۔ سپریم کورٹ میں لیو ٹو اپیل (Leave to Appeal) دائر کرنی پڑتی ہے،اور اگر سپریم کورٹ اجازت دے تو کیس کی سماعت ہو گی" ان کے تفصیل سے بتانے پر وہ لب کاٹتے سوچ میں ڈوبا۔

"تم نے کس کے خلاف کروانی ہے کاروائی؟"

"اسماعیل صاحب کی کمپنی پچھلے دنوں ایک کیس میں پھنسی تھی"

"وہ فلائی اوور روڈ والا کیس ناں؟" انھوں نے اطمینان سے پوچھتے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"جی" احنف نے مختصر کہا۔

"تو اس کیلئے تو اسے کلین چٹ مل گئی تھی ناں" وہ الجھے۔

"جی مل گئی تھی" احنف نے ہامی بھری "لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس سارے معاملے کا اصل ذمہ دار کوئی اور ہی تھا جس پر کوئی انگلی نہیں اٹھی اور بیچ میں کوئی اور پس گیا" احنف زچ سا بتا رہا تھا۔

"کون؟"

"عالمگیر برفات" احنف نے لب بھنچے اس کا نام لیتے حلق تک کڑواہٹ گھلی۔ طالب وڑائچ شاک سے سیدھے ہو کر بیٹھے۔

"اسی نے تو کیس لڑا تھا"

"جی بالکل" احنف نے اطمینان سے کہا "اسی لیے اس نے اپنا نام کہیں پر ظاہر نہیں ہونے دیا

"طالب صاحب گہری سوچ میں ڈوبے۔

"تم بہت بڑی جگہ ہاتھ ڈال رہے ہو احنف مرزا" طالب صاحب نے اسے وارن کیا۔

"آپ ڈر رہے ہیں یا ہمیں دھمکا رہے ہیں؟" احنف نے جانچتی نظروں سے انھیں دیکھا۔

"باز رکھ رہا ہوں تمہیں خطرے سے آنے والی آفات سے"

"ہم اچھی طرح سے واقف ہیں آنے والے وقت سے آپ بس یہ بتائیے آپ ہمارا ساتھ دے رہے ہیں یا نہیں؟" احنف نے دو ٹوک لہجے میں بات کی۔ طالب وڑائچ چند لمحے خاموش بیٹھے رہے، پھر دھیمے لہجے میں بولے "بیٹا، تم نے نہایت احتیاط اور پردہ داری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا ہے۔ تو پھر خواہ مخواہ دشمنوں اور حریفوں کی نظروں میں کیوں آتے ہو؟ یاد رکھو، خوشیاں اور کامیابیاں جتنی زیادہ لوگوں کی نگاہوں سے دور رہیں، اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ایک بار اگر ان پر دنیا کی نظر پڑ جائے تو وہ نظر دیمک کی طرح اندر ہی اندر سب کچھ چاٹ جاتی ہے۔" ان کے لہجے کی نرمی اور رسانیت کے باوجود احنف ہلکا سا زخمی سا مسکرایا، جیسے دل کے زخموں پر نمک چھڑک دیا گیا ہو۔

"انکل، دوسروں کی جلتی ہوئی آگ میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت کب پڑتی ہے؟ جب وہ آگ خود ہمیں آ کر جلا دے، تب؟" وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر اس کے لہجے میں ٹوٹ پھوٹ اور غصہ گھل گیا "ہم نے تو انہیں جانتے تک نا تھے وہ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ ہم تو اپنے راستے پر چل

رہے تھے، لیکن وہی تھے جو ہمارے راستے میں آن کھڑے ہوئے۔ پہلے ہمارے بھانجے پر وار کیا، پھر ہمارے بھائی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ آپ خود بتائیں، اگر سانپ ڈس لے تو کیا اسے یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے؟ تاکہ وہ پلٹ کر پھر وار کرے؟" احنف کی آواز میں دکھ کی کاٹ صاف جھلک رہی تھی۔ طالب وڑائچ خاموش ہو گئے۔

"کب کرنی ہے اپیل؟" کچھ دیر بعد وہ بولے تو احنف زخمی سا مسکرا دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار نمی تیر گئی۔ خدا اس کے ساتھ تھا۔ اس کیلئے ہر راستہ سہل ہوتا جا رہا تھا۔

"ابھی نہیں وقت آنے پر ہم آپ کو بتائیں گے تب تک ہم اسماعیل صاحب سے کہہ کر سارے کاغذات اور ثبوت آپ کے حوالے کرتے ہیں"

"ٹھیک ہے میرے چیمبر میں بھجوا دینا میں دیکھ لوں گا سب" وہ کھڑے ہوتے فیصلہ کن انداز سے بولے۔ احنف بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا اور باہر کی طرف چل دیے "اکاؤنٹ واٹس ایپ کر دوں گا دو لاکھ ٹرانسفر کر دینا"

"جی جی بالکل تابعدرا" احنف نے سینے پر ہاتھ رکھتے شریر انداز میں کہا دونوں ہنستے ہوئے خوش گپیاں کرتے دروازے عبور کر کے ہال میں آکھڑے ہوئے۔ رسمی باتوں کے بعد انھوں نے باہر کی راہ لی۔

اسماعیل صاحب اپنے ڈیسک سے اٹھ کر احنف کے قریب آئے "بھروسہ کر سکتے ہیں ان پر ؟" وہ کافی غیر مطمئن سے تھے۔

"جی بالکل اسماعیل صاحب ہمارے فیملی فرینڈ ہیں بس زیادہ سے زیادہ ہمارے والد یا بھائی کو ہمارے کارناموں کے بارے میں آگاہ کر دیں گے" احنف کہتے ہوئے ذرا سا ہنسا تو وہ بھی مسکرا دیے۔ پھر جیسے بات یاد آنے پر وہ ان کی طرف مڑا "ہم عالمگیر کے خلاف کیس فائل کر رہے ہیں"

"کیا ؟" وہ شاک انداز میں بولے۔ یہ بات تو طے نہیں ہوئی تھی "لیکن کیوں ؟" احنف کو حیرت ہوئی وہ نا سمجھی سے انھیں دیکھنے لگا۔

"کوئی مسئلہ ہے ؟"

"نہیں۔۔ایسی کوئی بات نہیں۔۔ لیکن اس بارے میں ہماری کوئی بات نہیں ہوئی؟"

"اووہ۔۔اچھا" احنف مسکرادیا" کچھ باتیں وقت پر ادھار رہنے دیں اسماعیل صاحب"

احنف نے اسماعیل ڈار کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے رخ آفس کی طرف موڑتے ہوئے بولا" آپ نے دوسرے بڈ کے بارے میں کسی کا ذکر کیا تھا... لیکن ابھی تک ان کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آیا۔ کیا معاملہ ہے؟"

اسماعیل ڈار نے گہری سانس بھری، جیسے کوئی بوجھ دل پر رکھا ہو"وہ...مان نہیں رہا۔"دونوں آفس میں داخل ہوئے۔ کمرے کی سنجیدہ فضا، میز پر پھیلی فائلیں اور کھڑکی سے آتی روشنی ان کے چہروں پر سایہ ڈال رہی تھی۔

" کیوں؟"احنف نے حیرت سے پوچھا۔

"میری حالت دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ گیا ہے۔ اپنے لیے کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"اسماعیل ڈار نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔احنف نے لمحہ بھر سوچ کر پُرسکون انداز میں کہا۔

"اوہ... اچھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ آپ بس ہماری اس سے بات کروا دیں۔ باقی ہم سنبھال لیں گے۔"

اسماعیل ڈار کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری،

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے... آپ کے لفظوں کے جال سے بھلا کون بچا ہے آج تک؟" یہ جملہ سنتے ہی احنف کے چہرے پر ہلکی سی شرارتی مسکراہٹ ابھری۔ اگلے ہی لمحے دونوں کے درمیان قہقہہ گونجا۔ آفس کی سنجیدہ فضا یک ہلکی ہو گئی۔ چند لمحے پہلے جو دباؤ اور کشیدگی دیوار بن کر کھڑی تھی، وہ ہنسی کی گونج میں ٹوٹ گئی۔ احنف نے کرسی پر سیدھا ہو کر ڈار صاحب کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں اعتماد کی جھلک صاف نظر آئی۔ وہ اعتماد جس نے یہ باور کرا دیا تھا کہ آنے والے وقت میں چاہے کتنا ہی سخت طوفان کیوں نہ اٹھے، دونوں کندھے سے کندھا ملا کر اس کا سامنا کریں گے۔

آفس کی کھڑکی سے آتی دوپہر کی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی، جیسے آنے والے کل کی طرف ایک اطمینان بخش اشارہ ہو۔

*************

صبح وہ اٹھی تو فریش فیل کر رہی تھی کل والی کمزوری اور سستی کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ فجر کی قضا نماز پڑھتے۔ نہا کر اچھے سے تیار ہوئی اور کھانے کی میز کی طرف چلی آئی جہاں ابھی ماریہ رسمی لوازمات رکھ رہی تھی۔

" کیسی ہیں مادام؟"اسے دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"بالکل ٹھیک الحمد للہ "اس نے چہکتے لہجے میں کہا۔ تبھی ابراھیم بھی فریش جوس کا جگ لیے وہاں چلا آیا" تھینک یو میرے محسن کل میری جان بچانے کیلئے "اسے دیکھتے امراء نے شرارت سے کہا تو جھنپتے وہیں ٹھہر گیا۔

" شکریہ ادا مت کریں آپ ٹھیک ہیں سلامت ہیں میرے لیے یہی کافی ہے"

"واہ.....واہ "امراء نے داد دیتے فضا میں ہاتھ بلند کیا ماریہ بھی خوشدلی سے مسکرا دی۔

۔،منشی لالہ کو کھانا بھجوایا؟؛امراء نے سرسری سا پوچھا۔

"انھیں تو عالم صاحب نے صبح ہی رخصت کر دیا تھا" ماریہ نے آرام سے بتایا۔

"کیا؟" امراء کو حیرت ہوئی "اچھا" لب کاٹتے وہ بڑبڑائی "حنام اور مریم نہیں آرہی کھانا کھانے؟" امراء نے ارد گرد چھائی خاموشی کو محسوس کرتے پوچھا۔ ماریہ نے نفی میں سر ہلایا "وہ دونوں اپنے کمرے میں ہی کھانا کھالیتی ہیں" اس کے بتانے پر امراء نے پر سوچ نظروں سے اوپری پورشن کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے تم لوگ کھانا لگاؤ میں تب تک بلا کر لاتی ہوں"

مہم کا آغاز اس نے مریم کو منانے سے کیا۔

"میما کب تک یوں بچوں سا ضد کرتے کمرے میں بند رہو گی" امراء نے اس پر سے لحاف اتارتے خفگی سے کہا۔ جسے واپس پہننے کیلئے امراء کو گھوری دیتے اسے اٹھ کر واپس ٹھیک کرنا پڑا۔ وہ لحاف اوڑھے واپس سے سو گئی۔

"ویسے آج کل میر کچھ زیادہ ہی فری کو رہا ہے میرے ساتھ" امراء نے مسکراہٹ دباتے شریر انداز میں کہتے اسکی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل

آئی۔ مریم کے اندر بھرے غصے کو ذرا سی ہوا دینا ہی کافی تھا اسے پتہ تھا وہ اگلے پندرہ منٹ میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر بیٹھی ہو گی۔ حنام گرم لحاف میں چھپی اوندھے منہ لیٹے ہوئے تھی جب امراء نے اسکے بال سہلاتے اپنے ہونے کا احساس دلایا۔

"ہانو....." اس کے بال سہلاتے دھیرے سے پکارا۔ حنام نے روئی ہوئی آنکھوں سے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"یونی نہیں جانا؟" امراء نے دھیرے سے پوچھا۔

"ڈیڈ نے منع کیا ہے" گیلے لہجے میں بتاتے وہ واپس سے چہرہ موڑ گئی۔

"کچھ نہیں کہتا وہ..... تم اٹھو یونی کیلئے تیار ہو جاؤ میں دیکھ لوں گی اسے" امراء نے لحاف ہٹاتے اسے تسلی دی۔ حنام بے دلی سے اٹھ کر نائٹ سوٹ کی شرٹ درست کرتے بیڈ کر پشت کا سہارا لیتے نیم دراز ہوئی۔

"میرا دل نہیں کر رہا" وہ بے دلی سے بول رہی تھی۔ امراء نے اس کے پاس بیٹھتے دائیں ہاتھ سے اسکا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"ہانو میر نے تمہیں کبھی کسی چیز کی کمی نہیں دی..... تمہاری یہ حرکت اس کے دل تیر کی طرح چبھی ہے پھر بھی اس نے تمہیں کچھ نہیں کہا"

"وہ مجھ پر چلائے تھے "حنام نے اسکی بات رد کرتے اونچی آواز میں شکوہ کیا۔ امراء نے گہری سانس لیتے اسے دیکھا۔ کتنا بگاڑ دیا تھا اسے عالمگیر نے۔ اسے سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے جیسا تھا۔

"اٹھو اچھا کمرے کی صفائی کرنے دو" امراء نے شرارت سے اسے دور دھکیلا "دو دن سے کمرہ بند کرکے سارا گند پھیلایا ہوا ہے" امراء نے ناپسندیدگی سے اسکے کمرے میں بکھرے اسنیکس کے لفافوں اور جھوٹے برتنوں کو دیکھا۔

"دفع ہو جاؤ مجھے نہیں اٹھنا" حنام لحاف واپس اوڑھنے بے دلی سے بولی۔ امراء نے اسے لحاف سمیت نیچے دھکیلا۔ جس پر احتجاجی طور پر چلاتے ہوئے اسے گالیاں دینے لگی۔

"اتنی بدبو آرہی ہے تم سے دفع ہو جاؤ نہاؤ ورنہ اسی طرح لحاف سمیت باتھ ٹب میں ڈال آؤں گی" امراء نے دھمکایا "پچ" تو غصے سے ساتھ پڑے اسنیکس کے ٹکڑے اٹھا کر امراء کی

طرف اچھالے اور لحاف سے نکل کر فریش ہونے چلی گئی۔ امراء نے انٹر کام پر ماریہ کو کلیننگ ٹیم کو بھیجنے کا حکم دیا۔ سفید شرٹس اور بلیک پینٹ میں ملبوس دو لڑکے اور تین لڑکیوں کی ٹیم فوراً اوپر آئی۔ امراء صفائی کرنے کا حکم دیتے کونے میں پڑی ایک صاف کرسی پر براجمان ہو کر موبائل چلانے لگی۔ سب کمال مہارت سے کمرہ سمیٹنے لگے۔ کچرا صاف کیا۔ بیڈ شیٹ اور لحاف بدلا اور کمرے کی جھاڑ پھونک کرنے لگے۔ امراء اٹھی اور الماری کو کھولا جس میں امید کے عین مطابق حشر نشر ہو رکھا تھا۔

"یہ بھی سارا صاف کر دیں" لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا وہ سر خم کرتے فوراً کام پر لگ گئیں۔ پندرہ منٹ کے بعد کمرے کو بہتر حالت میں لا کر وہ سب باہر جا چکے تو امراء نے الماری سے ایک پیارا سا سفید جالی دار فراک نکال کر بیڈ پر پھیلایا اور باتھ روم کے دروازے کے پاس آ کر ناک کرتے حنام کو مخاطب کیا۔

"ڈریس نکال دی ہے میں نے جلدی سے پہن کر نیچے آؤ۔ میں انتظار کر رہی ہوں" کہہ کر وہ واپس پلٹ آئی۔ عالمگیر اپنے کمرے سے نکل کر پھرتی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا جب ریلنگ پر ہاتھ رکھے امراء نے شرارت سے اسے پکارا۔

"عالمگیر صاحب..... ناشتہ نہیں کرنا آپ نے؟" عالمگیر نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر مسکرا دیا۔ وہ اس وقت ہمیشہ کی طرح قیمتی سیاہ سوٹ میں ملبوس بائیں کلائی پر کوٹ رکھے ہوئے تھا۔ ویسٹ کوٹ کی پاکٹ میں تمتاتا اسکا سیگنیچر پن جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا۔ امراء سیڑھیاں اترتے اسکی طرف بڑھنے لگی۔

"کام ہے آفس میں" وہ مڑ کر مسکراتے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آفس میں کام ہی ہوتا ہے آرام تھوڑی ہوتا ہے" امراء نے نامحسوس انداز میں اسکا کوٹ اچکتے کترا کر اس کے پاس گزری "ناشتہ کر کے جاؤ" وہ جانتی تھی وہ مریم سے کترا رہا تھا کیونکہ وہ اس وقت ناشتے کی ٹیبل پر اسکا انتظار کر رہی تھی۔

"امو....." عالمگیر نے احتجاج کیا وہ ابھی مریم اور حنام کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ ان سنا کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔ عالمگیر گہری سانس لیتا چہرے پر سنجیدگی سجائے بھاری قدم اٹھاتا ڈائننگ ٹیبل پر آبیٹھا۔ پیچھے کوٹ اسٹینڈ پر اسکا کوٹ لٹکا ہوا تھا۔

"گڈ مارننگ" ہمیشہ کی طرح بلند آواز میں کہتے اس نے سربراہی کرسی سنبھالی۔ امراء اور سعیدہ خاتون نے جواب دیا۔ مریم خاموشی سے سر جھکائے ناراض بیٹھی تھی۔ عالمگیر نے کن اکھیوں سے اسکی سوجھی ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔ دل چاہا اسے پکارے مگر خود پر ضبط رکھتا خاموشی سے اپنے لیے ناشتہ نکالنے لگا۔ ٹوسٹ پر چھری سے مکھن اسپریڈ کرنے لگا۔

"عالمگیر غصہ تھوک دو..... مریم کو دیکھو دو دن سے رو رو کر اپنی حالت کیسی کی ہوئی ہے" سعیدہ خاتون نے اصلاحی طور پر بات شروع کی۔

"تو ایسے کام کرنے نہیں چاہیے ناں سعیدہ خاتون" عالمگیر نے لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ٹوسٹ کا لقمہ لیا" جس کیلئے بعد میں پچھتانا پڑے" اسکی بات مکمل ہونے پر مریم نے شکوہ نگاہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اب ہماری آپسی باتیں اس طرح دوسروں کے سامنے طعنوں میں اچھالو گے" مریم سے کہنے سے رہا نا گیا۔

"یہی دوسرے ہی معاملات سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں" عالمگیر نے بنا دیکھے جتایا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے" مریم نے غصے سے اکھڑتے سعیدہ خاتون کو دیکھا۔ امراء کیلئے اس کا یہ ناشکرا رویہ بالکل بھی نیا نہیں تھا وہ چپ چاپ اپنے ناشتے میں مشغول ہوئی۔

"آپ کو ہمارے بیچ میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے..... ہمارے آپسی معاملات ہم دیکھ لیں گے" مریم کے غصے سے بولنے پر وہ حیرت زدہ سے کبھی اسے اور کبھی عالمگیر کو دیکھنے لگی۔

"میں تو بس اسے سمجھا رہی تھی" سعیدہ خاتون نے اپنا دفاع کیا۔ عالمگیر چپ چاپ اپنا ٹوسٹ مکمل کر رہا تھا۔

"بہت شکریہ آپ کا آپ اپنے معاملات دیکھیں میں اپنا رشتہ خود سنبھال لوں گی" وہ چیخ کر بول رہی تھی عالمگیر نے جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے جتاتی نظروں سے امراء کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ سلجھالیا سب؟

"میما کیا اپنا اپنا لگا رکھا ہے "امراء بھی ناچاہتے ہوئے غصے سے اکھڑی "دو دن پہلے کا تماشہ یہاں ہال میں سب کے سامنے ہوا دو دن سے تمہارے کمرے سے رونے کی آوازیں آرہی ہیں۔ بوتیک میں سب کے سامنے الگ تماشا ہوا اس میں تمہارا ذاتی یا اپنا معاملہ کہاں رہ گیا ہے؟" امراء بلا تامل اسے ڈانٹتے ہوئے بولی۔ مریم نے شکوہ کناں نظروں سے عالمگیر کو دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کرسی کو زمین پر گراتے غصے سے دھم دھم کرتے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"میرا تو پیٹ بھر گیا" عالمگیر نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر کہا نیپکن سے ہاتھ اور ہونٹ صاف کیے اور اٹھ کر اپنا کوٹ پہننے لگا "اللہ حافظ رات کو ملتے ہیں" امراء کے غصے سے بھنے ہوئے

چہرے کو مزے سے دیکھ کر کہتا اس نے باہر کی راہ لی۔ راستے میں سیڑھیوں سے اترتی حنام سے ٹکراؤ ہوا۔

"ڈیڈ....."اس نے دھیمی آواز میں پکارا اس سے پہلے وہ کچھ کہتی اور عالمگیر کمزور پڑتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

حنام بوجھل قدم اٹھاتی اپنی کرسی پر آبیٹھی اور بے دلی سے پلیٹ اور کراکری ہٹاتے سر ٹیبل پر ٹکادیا۔ امراء نے اپنے چہرے کے تاثرات ہموار کرتے ماریہ کو اس کیلئے ناشتہ نکالنے کا اشارہ کیا۔

" کھانا کھالو ہانو پھر میں تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کردوں گی"اس نے لہجہ قدرے خوشگوار کرتے کہا مگر حنام بے دلی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ مانو نا کھانا کھانا ہے اور نا ہی یونیورسٹی جانا ہے۔ مگر وہ بھی امراء تھی اپنے نام کی ایک۔ زبردستی اسے ناشتے کے چند نوالے کھلا کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے یونیورسٹی ڈراپ کر گئی۔ وہ اس سے زیادہ اداسی بھرا

ماحول برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ گھر میں چار لوگ تھے وہ بھی آپس میں بات کر کے راضی نہیں تھے۔۔

**************

زین یونیورسٹی پہنچ کر دو کلاسز اٹینڈ کر چکا تھا، مگر اس کے ذہن کے کسی کونے میں ایک ہی سوال بار بار سر اٹھا رہا تھا: حنام کہاں ہے؟ عام دنوں میں تو وہ گیارہ بجے سے پہلے ہی یونیورسٹی آجاتی تھی۔ کبھی کیفے میں اپنی دوستوں کے ساتھ بیٹھی ملتی، کبھی لان کے کنارے سے گزرتے ہوئے اس کی جھلک دکھائی دے جاتی۔ لیکن آج... آج تو جیسے پورے کیمپس سے اس کا وجود غائب تھا۔ زین نے کلاس روم سے باہر نکل کر راہداری میں نظریں دوڑائیں، مگر ہر چہرہ اجنبی تھا۔ دل کے اندر ایک انجانی سی بے چینی اترنے لگی۔ سورج سر پر چمک رہا تھا، طلبہ کے گروپ قہقہے لگاتے گزر رہے تھے، مگر زین کی آنکھیں صرف ایک چہرہ ڈھونڈ رہی تھیں... وہ چہرہ جو آج ہر طرف ہوتے ہوئے بھی کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

۔کوریڈور میں ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی کہیں نہیں دکھی تو زین نے سیل فون جینز کی جیب سے نکالتے حنام کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو....."دو تین رنگ کے بعد کال اٹھالی گئی۔اسکی آواز کمزور سی تھی.....

"ہیلو حنام..... کہاں ہو تم یونیورسٹی نہیں آئی ابھی تک"زین کو لگا شاید نیٹ ورک ایشو ہو تو نظر انداز کرتا نارملی بات کرنے لگا۔

"آئی ہوں..... کینٹین میں ہوں طبیعت ٹھیک نہیں ہے"اسکی آواز میں کوئی بدلاؤ نا آیا۔ اب کے زین کو پریشانی لاحق ہوئی۔

"کہاں اوپر؟..... ہیلو حنام..... مجھے سن رہی ہو"زین نے پوچھا مگر دوسری طرف خاموشی تھی۔آس پاس کے لوگوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں مگر حنام کا کوئی جواب نا آیا۔زین فوراً سے لفٹ میں سوار ہوتے نیچے کو بھاگا۔اگر اس کی طبیعت خراب تھی تو یقینی طور پر گراؤنڈ فلور والی کینٹین میں ہی ہوگی نا کہ ٹیرس والی۔لفٹ سے نکل کر وہ حواس باختہ سا دوڑتے ہوئے کینٹین کی طرف بھاگا۔کئی گروپس دائرے میں اکٹھے بیٹھے خوش گپیاں لگا

رہے تھے۔ کئی کپلز بنے اور کئی سموسے کی پلیٹ کے ساتھ کتاب رکھے پڑھائی کر رہے تھے۔ زین نے پھولی ہوئی سانس میں گھوم پھر کر کینٹین کا جائزہ لیا بلآخر ایک ٹیبل پر حنام سر گرائے ہوئے مل گئی۔ وہ شکر کی سانس لیتا جلدی سے اسکی طرف بڑھا۔ اسکی دوستیں کیوں نہیں تھی اس وقت اس کے ساتھ اسے حیرت ہوئی۔

"حنام..... حنام "اس نے اسکے سر پر کھڑے ہو کر دوبارا اسے پکارا مگر کوئی جواب نا آیا تو زین نے دھڑکتے دل سے اسکو کندھے سے ہلایا۔ اسکا وجود بے جان عمارت کی طرح نیچے کو ڈھلکا جسے بمشکل زین نے پکڑتے نیچے گرنے سے بچایا۔ زین کے کندھے سے بیگ لڑھک کر زمین پر گرا۔

"حنام "ایک پریشانی بھری چیخ اسکے منہ سے نکلی وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اسے سہارا دیے ہوئے تھا حنام کا سر زین کے بائیں کندھے پر لاغر پڑا تھا۔ کئی لوگ اسکی طرف متوجہ ہوئے اس سے پوچھنے لگے کیا ہوا مگر وہ انھیں نہیں سن رہا تھا..... پھر ہجوم میں سے کسی

Clubb of Quality Content

نے پانی کی بوتل پکڑائی تو اس نے دائیں ہتھیلی پر چلو میں پانی بھرتے حنام کے چہرے پر چھینٹے مارے۔

"حنام اٹھو پلیز....."وہ پریشانی سے التجا کر رہا تھا۔خوف سے اسکی جان نکلی جا رہی تھی اگر اسے کچھ ہو گیا تو؟زین نے دو تین بار پانی کے چھینٹے حنام کے چہرے پر مارے تو بلآخر اسکی پلکوں میں ہلکی سی جنبش پیدا ہوئی۔

"حنام.....حنام یہاں دیکھو"وہ بوکھلایا سا اسکے چہرے کو تھپتھپا رہا تھا۔

"لگتا ہے اسکا بیپی لو ہو گیا ہے"ہجوم میں سے کسی نے بولا۔زین نے مشکور بھری نگاہ پھیر کر چہرہ دیکھنا چاہا مگر رسائی نا ملی۔وہ بنا کچھ سوچے اس بانہوں میں اٹھائے چلنے لگا۔چند ایک لڑکوں نے اسکا پیچھا کیا۔شاید وہ ان دونوں کا سامان اٹھائے پیچھے آرہے تھے۔حنام سر گرائے بے سدھ سی اسکی بانہوں میں تھی۔ہر اٹھتی نگاہ میں سوال تھا۔کئی ایک کو اس نے ویڈیو بناتے بھی دیکھا۔مگر وہ کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔بس ناک کی سیدھ میں چلتے اسے اٹھائے پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی کے پاس آیا۔ایک لڑکے نے بڑھ کر اسکی مدد

کرتے اسکے اشارے پر اسکی جینز کی جیب سے کار کی ریموٹ کی نکالتے پیسینجر سیٹ کا دروازہ کھولا۔ زین نے حنام کو وہاں لیٹاتے۔ لڑکے سے چابی لے کر دوسری طرف گھوما۔ جلدی سے بیٹھتے انجن اسٹارٹ کیا۔ ایک نظر حنام کو دیکھا۔ جس کے بے سدھ چہرے پر بال بکھرے ہوئے۔ اسکی خاموشی اسکا دور جانا زین کو پریشان کر دیتا تھا۔ اس وقت وہ اسے غیر آرام دہ سی لیے نظر آئی زین نے بٹن دباتے سیٹ کو بیک پش کیا۔ تاکہ وہ اسکے لیٹنے کیلئے آرام دہ ہو۔ اسکے چہرے سے لٹیں ہٹا کر اس نے سیٹ بیلٹ لاک کیا۔ اور تیزی سے ہاسپٹل کی طرف گاڑی دوڑا دی۔ یونیورسٹی سے بمشکل تین منٹ کی ڈرائیو پر اسے ایک پرائیویٹ ہاسپٹل نظر آیا۔ زین نے فوراً اسٹیرنگ گھماتے ہاسپٹل کے سامنے کار پارک کی اور جلدی سے گاڑی سے اترتے ہاسپٹل کے عملے کو اسٹریچر لانے کیلئے آواز لگائی۔

وہ اسے اسٹریچر پر ڈالے جلدی سے ایمرجنسی وارڈ کی طرف بڑھے۔ جہاں کھڑے ڈاکٹر اور نرسز فوراً حرکت میں آئیں۔

"کیا ہوا انھیں" ڈاکٹر نے حنام کی جانچ کرتے زین سے پوچھا۔

"آئی ڈونٹ یونیورسٹی میں تھی..... میں نے بات کی..... پھر کندھا ہلایا تو وہ گر گئی" اسے سمجھانے نہیں آرہا تھا کیا بتائے اسکے لبوں سے ٹوٹے بکھرے الفاظ نکل رہے تھے۔ چہرہ پریشانی اور فکر سے دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ حنام کو رسز نے اسٹریچر سے بیڈ پر شفٹ کر دیا تھا۔

"کوئی بات نہیں ہم دیکھتے ہیں" ڈاکٹر نے اسے تسلی دیتے کہا اور نرس نے حنام اور اسکے بیچ پردہ حائل کر دیا۔ زین پیچھے کو قدم بھرتے دیوار کا سہارا لیتے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ تفکر سے چہرے کا پسینہ پونچھتے سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھ گیا۔ دماغ بالکل ماؤف تھا۔ اس وقت نا احنف کو کال کرنے کا خیال آرہا تھا نا ہی عالمگیر کو۔ بس ایک ہی فکر لاحق تھی حنام کو کچھ ہونا جائے۔

پندرہ منٹ کی جانچ پڑتال کے بعد پردے ہٹے اور ڈاکٹر اسکی طرف آتی دکھائی دی۔ زین فوراً اپنی جگہ کھڑا ہوا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں بی پی اور شوگر لیول لو ہو گیا تھا اور کچھ نہیں" زین نے تشکر سے سر خم کیا "ابھی آئی۔وی لگے گی تو ایک دو گھنٹے میں ہوش آجائے گا ڈونٹ وری" ڈاکٹر نے تسلی دی زین نے سمجھنے کے انداز سے سر ہلایا۔اور بے قرار نظروں سے آکسیجن ماسک لگائے بے سدھ سوئی حنام کو دیکھنے لگا۔

"آپ بیٹھ سکتے ہیں ان کے پاس" اسے حنام کو تکتا پا ڈاکٹر نے مسکراتے کہا۔تو وہ جھینپتے سر جھکا گیا۔ڈاکٹر دوسرے مریضوں کی طرف چلی گئی تو وہ بھی دھیرے دھیرے چلتا حنام کے بیڈ کے پاس رکھے اسٹول پر آبیٹھا۔حنام کی بائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی پر پلیز آگزیمٹر لگا ہوا تھا۔میڈیکل مانیٹر پر اسکے دھڑکنوں کی روانی اور بی پی اور کئی اور عدد و شمار کے حروف دکھائی دے رہے تھے۔دائیں ہاتھ پر آئی۔وی ڈرپ لگی ہوئی تھی۔نصف چہرہ ماسک میں چھپا ہوا تھا۔وہ حنام کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے لبوں سے لگائے مغموم سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔تب نا کوئی احساس تھا نا ہی کوئی سوچ وہ ایک خلا میں تھا۔جس سے صرف اسکی کھلی نظریں ہی اسے باہر نکال سکتی تھیں.....

وقت بیتتا چلا گیا وہ اسی حالت میں اسکا ٹھنڈا ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں پکڑے بیٹھا رہا۔

یہاں تک کہ حنام کی پلکوں میں جنبش پیدا ہوئی۔ دھیرے دھیرے لرزتے وہ بلاخر اوپر کو اٹھی۔ زین نے خود کو واپس لوٹتے محسوس کیا۔ وہ چند ثانیے چھت کو دیکھتی رہی پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ حنام کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا اسکا نصف چہرہ ہاتھوں میں ڈھکا ہوا تھا بس اسکی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وحشت زدہ سی خوف بھریں۔ وہ بیٹھے بیٹھے پتھر ہو چکا تھا۔

"زین" اس نے دھیرے سے اسے پکارا آکسیجن ماسک پر بھاپ نمودار ہوئی۔ حنام نے اپنے ہاتھ کو ذرا حرکت دی۔ خلا میں اسکی آواز سنائی دی۔ "زین" اس نے پھر سے پکارا۔ زین کا حصار ٹوٹا اس نے دھیرے سے حنام کا ہاتھ واپس بیڈ پر رکھا۔ حنام نے ماسک اتار کر ٹھوڑی سے نیچے کیا۔

"کیا ہوا؟" اس کا ہوائیاں اڑے چہرے کو دیکھتے وہ پوچھ رہی تھی۔ زین نے لب بھینچے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں ڈر گیا تھا حنام"وہ دھیرے سے بولا۔

"کس لیے؟"

"مجھے لگا میں نے تمہیں کھو دیا ہے"وہ بھرائی آواز میں بتا یا رہا تھا۔

"تو تم مجھے کھونے سے ڈرنے لگے ہو؟"حنام کے لہجے میں خوشی چھلکی۔اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا ڈاکٹر وہاں چلی آئی۔

"ہوش آگیا پیشنٹ کو.....بتایا نہیں آپ نے"زین کو دیکھتے خفگی سے کہا تو وہ شرمندہ سا سر جھکائے اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ڈاکٹر گھوم کر دوسری طرف حنام کا چیک اپ کرنے لگی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ"

"مچ بیٹر"حنام نے مسکرا کر جواب دیا"کب تک جا سکتی ہوں میں یہاں سے"اسکا دوائیوں اور فینائل کی بدبو سے دل خراب ہو رہا تھا۔

"یہ ختم ہو جائے تو "ڈرپ کے پیندے میں بچے سیلیوشن کی طرف اشارہ کرتے کہا "میں تب تک آپ کے ڈسچارج پیپر بنواتی ہوں "اسکے کہنے پر حنام نے سمجھتے دھیرے سے سر ہلایا ۔چند ایک ہدایت دینے کے بعد ڈاکٹر وہاں سے چلی گئی تو حنام نے زین کی طرف نظریں گھمائیں۔

"تم نے جواب نہیں دیا"حنام کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گیا۔

"مم.....میں بلز کلئیر کر کے آتا ہوں"فوری طور پر راہ تلاش کرتے فرار ہوا۔

"ارے پر....."حنام حیرت سے بولی مگر وہ فوری طور رفو چکر ہوا۔

*************

ناشتے کی میز پر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد احنف نے نپے تلے انداز میں ہاتھ بڑھا کر گلاس سائیڈ پر رکھا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔"خدا حافظ، بیگم جان،"اس نے نرمی سے اجازت چاہی۔

بیگم جان نے اس کی طرف خفگی سے دیکھا، جیسے دل میں چھپی شکوے کو لفظوں میں ڈھال دیا ہو۔

"ویک اینڈ پر بھی کام ہے آپ کو؟"ان کے لہجے میں ملال اور ہلکی سی مایوسی تھی۔ احنف چند لمحے رکا، پھر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے قریب آگیا۔ پیچھے سے بازو پھیلا کر انہیں گلے لگایا اور جھک کر بڑے احترام اور اپنائیت سے ان کے سر کو چوم لیا۔

" گھر پہ رہتے ہیں تو دل اداس ہونے لگتا ہے بیگم جان "اس کے لہجے میں اداسی گھلی تھی۔

ویک اینڈ پر بچے گھر ہوتے تھے مگر زاویار کو خظاف میں شمولیت نا دینے پر اس نے بچوں کا دادی چاچو سے ملنا بند کر دیا تھا۔ اسی لیے اوپر والے پورشن سے آتی ان کی آوازیں سن کے احنف کا دل اداس ہو جاتا تو وہ اکثر اوقات گھر سے باہر ہی رہتا۔

"احنف رشتوں سے دور بھاگنے سے نا وہ ٹوٹتے ہیں نا ہی گم ہو جاتے ہیں"اس کا بازو مسلتے انھوں نے پیار سے سمجھایا۔

"معدوم تو ہو جاتے ہیں ناں" احنف نے سیدھا ہوتے شکوہ کناں نگاہوں سے سیڑھیوں کی طرف دیکھا جہاں فی الوقت خاموشی کا راج تھا۔ شاید وہ سب سو رہے تھے ابھی۔

"رشتوں کو بچانے کیلئے دل کو مارنا پڑتا ہے احنف..... لاکھ تنازعہ ہو جائیں دکھ سکھ میں اخیر رشتے ہی کام آتے ہیں" وہ دھیرے دھیرے سمجھاتے اس کا دل صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یہ بات کہتے ان کی یادوں میں مرزا صاحب کا عکس نمایاں ہوا۔ پندرہ سال بعد انھیں ہاسپیٹل میں دیکھا تھا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے پرانے زخم کے بخیے ادھیڑ دیے ہوں۔ ان کی آنکھوں میں یادوں کی کرچیاں چبھیں چہرے پر اذیت کا تاثر نمایاں ہوا مگر یہ سب عقب میں کھڑا احنف نہیں دیکھ سکا۔ احنف نے سر جھکا کر گہری سانس لی۔

"جی بہتر..... چلتا ہوں" کہہ وہ رکا نہیں باہر چلا گیا۔ نوشاد بیگم نے سینے میں دبی بھاری سانس خارج کی۔

"خدا کرے تمہیں زندگی میں ایسا کوئی غم نا ملے میرے بچے" نم آنکھوں سے اسکی پشت کو دیکھتے انھوں نے دل سے دعا دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باہر پھولوں کی کیاریوں کے پاس مالی کے ساتھ ہی اسے عدیل اڈی کو پکڑے ہدایات دیتا نظر آیا (اڈی۔ کتے کا نام جو کہ عدیل نے اسے دیا تھا کیونکہ احنف کے جانے کے بعد اس کا گارڈین وہی تھا اور احنف کو دونوں کے ناموں میں کچھ زیادہ فرق نظر نہیں آتا تھا کیونکہ عدیل کو بھی اگر نک نیم سے بلاؤ تو وہ بھی اڈی ہی بنتا)۔ مرزا محل کے باہر خوبصورت سا لان تھا جسے چھوٹی چھوٹی پھولوں بھری کیاریاں گھیرے ہوئے تھیں بائیں طرف ایک کشادہ پورچ تھا جہاں اس وقت تین گھر کی گاڑیاں کھڑی تھیں ایک گاڑی کی جگہ خالی تھی جہاں سیکیورٹی عملے کی گاڑی کھڑی ہوتی۔ قدیم طرز کا بنا سفید رنگ کا مرزا محل دیکھنے میں دل موہ لیتا۔ اس کی وسیع دیواریں اور دیواروں پر ہوئی نقش و نگار، محل کے اندر داخل ہوتے ہی گراؤنڈ فلور پر بائیں طرف مہمان خانہ بنا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی وسیع ڈائننگ روم۔ ساتھ ماسٹر بیڈ روم جہاں بیگم جان رہتیں۔ مرکزی دروازے کے دائیں طرف کشادہ کچن۔ کچن کے ساتھ بھی چھوٹا سا ڈائننگ ایریا تھا جہاں اکثر وہ سب بیٹھا کرتے۔ اس کے بالکل سامنے ہی لکڑی کی بل کھاتی دو سیڑھیاں جو آخر پر ایک دوسرے سے جا ملتیں۔ بائیں طرف قطار

سے بنے ہوئے تین کمرے۔ اوپر والے پورشن کا نقشہ بھی کچھ خاص الگ نا تھا۔ ٹیرس پر نصف چھت کا حصہ گھیرے بڑا سا تالاب تھا ساتھ ہی خوشنما سا سٹنگ ایریا بنایا گیا تھا۔ نیچے لان کے ساتھ ہی دائیں طرف خاندانی ملازمین کے کوارٹرز بنے ہوئے تھے۔ تاکہ انھیں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نا کرنا پڑے۔

"عدیل خضر کہاں ہیں؟" اس نے متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھا کیوں کہ وہ ہمیشہ احنف کے مرزا محل سے نکلنے سے پہلے پورچ سے گاڑی نکال کر انجن اسٹارٹ کیے کھڑا ہوتا۔ مگر آج نہیں تھا۔

"وہ تو سو رہے ہیں ابھی" عدیل نے آرام سے بتایا تو احنف نے تعجب سے اندر کو دیکھا۔

"خیریت..... پہلے تو کبھی نہیں سوئے اتنا لیٹ" کلائی گھما کر گھڑی پر ٹائم دیکھتے پوچھا اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے۔

"وہ ساری رات جاگ کر لیپ ٹاپ پر کام کرتے رہے ہیں ناں" عدیل کے بتانے پر اس نے آنکھیں سیکڑے اسے دیکھا۔

"آپ کو کیسے معلوم؟" عدیل اس کی بات پر گھنا میسنا بنے مسکرا دیا۔

"وہ دراصل میرا موبائل خراب ہے تو خضر بھائی رات یہیں لان میں بیٹھ کر کام کر رہے تھے تو ان کا موبائل فارغ پڑا تھا تو میں نے ان سے پوچھ کر ان کے موبائل پر تھوڑی گیم کھیل لی" بتیسی نکالے اس نے مزے بتایا اور احنف نے افسوس پر بھری نظر اس پر ڈالی اسے کہیں پہنچنا تھا اور وقت ضائع ہو رہا تھا۔

"اچھا ڈرائیور سے کہیں گاڑی نکالے" عدیل نے حکم کی تابعداری کرتے ایڈی کو زمین پر اتارا اور جانے کیلئے پلٹا۔ ایڈی اس کی قید سے آزاد ہوتے ہی احنف کے جوتے چاٹنے لگا۔ احنف نے مسکراتے جھک کر اسے اٹھالیا۔

"ایڈی صاحب باہر جانا ہے ہمیں آج کوئی لاڈ پیار نہیں ہو سکتا ایم سوری" اس نے ایڈی کو ہوا میں خود سے قدرے دور اٹھائے کہا۔ اس کا معصوم سا چہرہ اداسی میں ڈھلکا۔ تبھی عدیل کو یاد آیا ابھی سیکورٹی عملہ نہیں آیا تھا وہ پلٹ کر واپس آیا۔

"احنف صاحب سیکیورٹی گارڈ تو نہیں آئے ابھی تک" اس نے عجلت سے سر کھجاتے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں عدیل صرف ڈرائیور کو بلائیں گاڑی لے کر آئے ہمیں دیر ہو رہی ہے" احنف نے ڈپٹتے ایڑی کو زمین پر واپس چھوڑا جو ناراض سا محل کے اندر چلا گیا" اور ہاں خضر اٹھ جائیں انھیں کہیے گازین کو لے کر آفس آجائیں" عدیل ڈانٹ کھا کر دائیں بائیں سر ہلا کر بات سمجھتے ڈرائیور کو بلانے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ چکا تھا۔ ڈیفنس کے اندرونی علاقے فیز سکس میں۔ ایک نئے اور اعلیٰ طرز کے بنے ولا کے سامنے۔ گاڑی اس نے باہر ہی پارک کروائی۔ گارڈ روم سے شناخت کروانے کے بعد وہ اندر داخل ہوا۔ وہ ولا باہر دیکھنے پر جتنا خوبصورت تھا اندر سے اتنا ہی دلکش تھا۔ ایک طرف سر سبز لان اور دوسری طرف لانگ سوئمنگ پول نظروں کو بھا رہے تھے۔ لان کے بیچ و بیچ سفید اور نیلے رنگ کے صوفے پر پولو شرٹ اور ڈیلے ٹراوزر میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اخبار ہاتھوں میں پکڑے دکھائی دیا اس پر نظر پڑتے ہاتھ ہلا کر اسے پاس آنے کا اشارہ کیا اور اخبار تہہ لگا کر سائیڈ رکھا۔ احنف نے مسکرا کر چلتے سر خم کیا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھنے لگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کافی بڑے اور سوبر ہو گئے ہو" جب احنف نزدیک پہنچا تو اس نے کھڑے ہو کر گلے لگاتے تعریف کی۔

"تھینک یو رانا انکل" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر تعریف وصول کرتے کہا

"کیسے ہو" انھوں نے رسماً پوچھا" آؤ چائے پیو" اس نے ناپسندیدہ نظر ٹھنڈی کڑک چائے پر ڈالی اور صوفے کے ساتھ پڑی کرسی پر براجمان ہوتے ہاتھ میں پکڑا آئی پیڈ اور آنکھوں سے سن گلاسز اتار کر ٹیبل پر رکھے اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک الحمد للہ" احنف نے مسکراتے انھیں دیکھا" ابھی کھانا کھا کر آیا ہوں چائے کی ضرورت نہیں ابھی"

"تمہارے ایکسیڈنٹ کا سنا تھا میں نے..... سنا تھا کافی بڑا اور بڑا ایکسیڈنٹ تھا"

"جی بس اللہ نے جان بچالی۔ آنے کیلئے شکریہ" احنف نے میٹھے لہجے میں کہتے طنز کیا تو وہ ذرا کھسیا سے گئے۔

"ارے نہیں سوری میں ہاسپیٹل نہیں آسکا۔ میری روٹین جانتے تو ہو سر کھجانے کا وقت نہیں ملتا" رانا عمران نے فوراً جواز پیش کیا۔

"کوئی بات نہیں" احنف نے بنا کسی تاثر کے رسانیت سے کہا۔

"اب کیسے ہو؟" انھوں نے مزید پوچھا۔

"بس الحمد للہ فٹ..... آپ کے سامنے ہیں" اس نے مسکرا کر بانہیں پھیلا کر اپنے سراپے کی طرف اشارہ کیا۔ رانا عمران نے بغور اس تیس سالہ مرد کو دیکھا تو جو اس وقت گرے پینٹ اور سفید کاٹن کی شرٹ پہنے سامنے والے دو بٹن کھولے، بالوں کو جیل سے جما کر آنکھوں میں داد دینے والا اعتماد سجا کر اس کے روبرو بیٹھا تھا۔ رانا عمران ان کے فیملی فرینڈ تھے اور کنسٹرکشن بزنس کے منجھے ہوئے کھلاڑی تھے جو مختلف جگہوں پر اپارٹمنٹ اور مال بنا کر دوگنے پیسوں میں بیچتے تھے. اور ان سے بہتر شروعات کہیں نہیں ہو سکتی تھی۔

"تم نے کال کی رات تمہارے پاس کوئی زمین ہے بیچنے کیلئے" انھوں نے مدعے کی بات کا آغاز کیا۔

"جی" وہ مختصر کہہ کر مسکرایا۔

"دکھاؤ پھر" وہ پوری طرح سے متوجہ ہوئے احنف بے اپنا آئی پیڈ اٹھا کر ایک بجھی اسکرین کو ان کرتے پاسورڈ ڈال کر کھولا اور ایک دو بار انگلی ادھر اُدھر کرنے کے بعد ایک نقشہ نکالتے اسکرین ان کی طرف گھمائی۔

"شاہراہ فیصل پر ڈیڑھ لاکھ اسکوائر فٹ کا ایریا ہے مال یا اپارٹمنٹس بنانے کیلئے بہترین جگہ ہے" اس کے بتانے پر رانا کے آبرو استعجاب میں اٹھے "ہماری خود کی خریدی ہوئی ہے۔ بیچنے کا سوچا تو سب سے پہلا خیال آپ کا ہی آیا" احنف نے بتاتے اسکرین پر انگلی چلا کر بائیں طرف کی تصویر نکال کر دکھائی "ابھی فی الحال کچھ گھر آباد ہی دو مہینے کی مہلت دی ہوئی ہے پیمنٹ وغیرہ سب کلیئر ہو چکی ہیں۔ ڈاکومنٹس ای ٹی سی آل پیک" رانا نے سوچ بھری نظروں سے جگہ کو جانچا چند اور سلائیڈز بھی ادھر اُدھر کیں جہاں پیپرز وغیرہ کی بھی پکچرز تھیں۔ تسلی کرتے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ڈیمانڈ کیا ہے ؟" ٹیبلٹ اس کی طرف بڑھاتے وہ اپنی نشست پر ریلیکس ہو کر بیٹھے۔ جسے اس نے بروقت تھام کر اسکرین بجھا کر ٹیبل پر رکھا۔

"پچاس کروڑ" اسکی بات پر وہ استہزائیہ سے کھلکھلائے۔ احنف اطمینان سے مسکراتا رہا ،ایساری ایکشن متوقع تھا۔

"بیٹا تم اس بزنس میں نئے ہو میں کئی برسوں سے ہوں" وہ قدرے آگے ہو کر اسے سمجھانے لگے "یہ جگہ بیس تیس کروڑ سے زیادہ کی نہیں ہے" پھر پیچھے ہو کر بیٹھے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔ جو کہ اضطراب سی کیفیت میں مسلسل حرکت کر رہی تھی چہرے پر بے چین سی ہنسی جیسی مسکراہٹ تھی۔ احنف نے بغور اسکی حرکات و سکنات کو دیکھا۔ یعنی انھیں جگہ پسند آگئی تھی مگر وہ اسے بچہ سمجھ کر کوڑیوں کے بھاؤ خریدنا چاہتے تھے۔

وہ مسکرا کر ٹیبلٹ اور چشمہ اٹھاتے کھڑا ہوا۔ "کوئی بات نہیں آپ کہیں اور سے دیکھ لیجیے گا "اسے کھڑا ہوتے دیکھ وہ سٹپٹائے۔

"ارے کہاں جارہے ہو چائے تو پیو" وہ بھی اس کے مقابل کھڑے ہوئے۔ احنف نے ایک ناپسندیدہ نظر اس ٹھنڈی کڑک چائے پر ڈالی جس کی جھاگ کناروں پر سوکھ چکی تھی۔

"سوری ہم صرف سیپریٹ چائے ہی پیتے ہیں وہ بھی اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی" اس نے چشمہ کھول کر آنکھوں پر چڑھاتے معذرت کی۔

"اچھا ٹھیک ہے میں سوچ کر ایک دو ہفتے میں جواب دوں گا" مانو احسان کرتے انھوں نے کہا۔ "شیور" احنف نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سجائے سر کو ذرا خم کیا "میں تب تک ذرا کامران انکل سے مل لوں" مسکرا کر کہتے اس نے ان کے سر پر بم گرادیا۔ کامران رانا اس کا بڑا بھائی جو کہ بزنس میں اسکارائیول تھا۔

"کامران بھائی سے مگر کیوں؟" ان کا سانس حلق میں اٹکا۔

"وہ کیا ہے ناں آپ کا نمبر انہی سے ہی ملا ہمیں تو سوچا ان کا شکریہ ادا کرتے جائیں"

"کمینہ کہیں کا" رانا عمران صدمے سے منہ کھولے اسے دیکھنے لگا۔ اور وہ ہوا کی طرح اڑ کر دیوار کی دوسری پار لان میں لوہے کی فینسی کرسیوں پر براجمان تھا۔

"جب میں ہاسپیٹل میں تمہاری تیمارداری کرنے آیا تھا تو تمہاری حالت دیکھ کر مجھے لگا نہیں تھا تم زندہ بچ جاؤ گے" سلام دعا کے بعد کامران رانا نے اسکے سراپے کو دیکھتے بتایا۔اس کا کمزور جسم اب خوبرو ورزشی جسم میں ڈھل چکا تھا۔

" کیسی حالت تھی ہماری" احنف نے دلچسپی سے پوچھا۔ تو ان کے بوڑھے چہرے پر سوچ کے آثار نمایاں ہوئے لبوں میں انگشت انگلی دابے انھوں نے پر سوچ انداز میں بتایا۔

"یوں جیسے کسی مردہ کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہوں" احنف کے چہرے پر زخمی مسکان ابھری تو یعنی وہ صرف قبر میں قید نہیں تھا وہ ظاہری طور بھی مُردوں میں شامل تھا" بیگم نوشاد کی ہمت کو داد دیتا ہوں وہ موت کے منہ سے تمہیں چھین لائیں" انھوں نے مسکرا کر تعریف کی" اورہاں کیا نام ہے اس لڑکے کا" وہ ذہن پر زور دیتے بولے۔

"خضر" احنف نے فوراًبتایا۔

"ہاں..... خضر "وہ اسی کا ہی ذکر کر رہے تھے" کمال ہیرا ہے۔ تمہاری زندگی کی بہترین انویسٹمنٹ "احنف خوشدلی سے مسکرا دیا۔ وہ جس کے چلنے پر اسکے گھر والے اسکے خلاف تھے آج باہر والے تعریف کر رہے تھے۔

"جی بس ہماری زندگی ان دونوں کی قرض دار ہے "احنف کے دل میں ہر سوں سکون تھا۔ چند اور باتیں کرنے کے بعد اس نے ان کے سامنے ڈیل رکھی۔

"جگہ تو اچھی ہے "رانا کامران نے اسے داد دی "قیمت کیا ہے"

احنف مسکرایا "پینسٹھ کروڑ "اس بلا جھجھک کہا۔ تو وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئے۔

"اڑسٹھ لاکھ پر تو عمران انکل نے ٹائم مانگا ہے آپ کو پھر بھی دو کروڑ کا ڈسکاؤنٹ دے رہا ہوں "اس نے کمال چالاکی سے کہا تبھی ان کا سرونٹ سپیریٹ ٹی کے لوازمات لیے وہاں چلا آیا تو اسکی مسکراہٹ میں جان آئی۔ اسے چائے کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن رانا کامران کے چہرے پر بے یقینی کے آثار نمایاں تھے۔

"اڑسٹھ لاکھ اور یہ کنجوس "انھوں نے بھائی کی فطرت یاد کرتے کہا" کبھی نادے..... میں نہیں مانتا"احنف بظاہر اپنی چائے بنانے میں مصروف ہو گیا۔

"کامران انکل زمین کی قیمت لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی ہے.....ایک تو مین اور مشہور شاہ راہ پر ہے اوپر سے پاکستان ائیر فورس ایریا بھی ساتھ ہے مفت کی سیکیورٹی الگ سے"ساتھ ساتھ اپنی زمین کے فائدے بھی گنوانے لگا"پاکستان ائیر فورس ایریا میں جو نئی بلڈ نگ بن رہی ہے کیا پتہ وہ آپ کیلئے لکی ثابت ہو.....وہی فلاپ فالکن مال"

"اسکی تو بات مت کرو"انھوں نے بد مزہ ہو کر پہلو بدلا"کبھی میوزیم بنادیتے ہیں تو کبھی مال تو کبھی انسٹیٹیوٹ.....ابھی تک وہ خود ڈیسائیڈ نہیں کر پارہے ہمیں کیا خاک فائدہ ہو گا "احنف نے چائے بنا کر تہذیبانہ طور پر پہلے کپ انھیں پکڑایا پھر ریلیکس ہو کر سپ بھرتے چائے کا بھرپور لطف اٹھایا۔چائے انجن میں تیل کی طرح اس کے اندر گئی تو دماغ کے پرزے صحیح سے چلنے لگے۔

"ہاں تو انکل اگر انسٹیٹیوٹ بنے گا تو بھی آپ کو فائدہ ہو گا۔ بچے اور پیر نٹس کھانے پینے کیلئے مال آئیں گے اور اگر میوزیم بنا تو اور زیادہ فائدہ ہو گا وہاں سے بور ہو کر فن کرنے کیلئے یوٹرن لے کر مال ہی آئیں گے "اس کی بات ان کے دل کو لگی تھی۔ وہ چند پل سوچ میں ڈوبے۔ دونوں خاموشی سے چائے کے ذریعے سکون کو اپنے اندر اتارنے لگے۔

" ٹھیک ہے "انھوں نے ہامی بھری "اس بوڑھے اور جوان کی دوستی کو آگے بڑھاتے ڈیل یہیں ڈن کرتے ہیں "انھوں نے لمحوں میں فیصلہ کرتے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ احنف نے کپ میں سے آخری گھونٹ پی کر میز پر رکھتے خوشدلی سے مسکراتے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

" آپ کے ساتھ کام کرنا ہمارے لیے باعث فخر ثابت ہو گا انکل "اس نے دونوں ہاتھوں سے ان کا ہاتھ تھامے تکلفی کلمات کہے۔

" ٹھیک ہے پھر کل ملتے ہیں تمہارے آفس میں اپنے وکیل کے ساتھ کاغذات وغیرہ دیکھ لیتے ہیں "انھوں نے کھڑا ہوتے اسے رخصت کرنے کی سعی کی۔

Clubb of Quality Content

"جی بالکل انشاء اللہ" وہ بے حد خوش تھا۔ اسکی زندگی کی پہلی اچھی فروخت ہوئی تھی۔ ابھی تک تو اس نے بس زمینیں خریدی ہی تھیں اب بیچنے کی باری تھی۔

وہ اس کے ساتھ خوش گپیاں لگاتے اسے باہر تک چھوڑنے آئے۔ تبھی تیز سانسوں سے ہانپتے ہوئے رانا عمران بھی وہاں چلا آیا۔ احنف اور رانا کامران نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"میں ڈیل کرنے کیلئے تیار ہوں" بنا کسی تمہید کے وہ بولے۔ احنف دلچسپی سے مسکرایا یعنی وہ جگہ کی ویلیو سمجھ چکے تھے۔

"لیکن ڈیل تو ہو گئی ہے پینسٹھ کروڑ میں" احنف نے معصومیت سے رانا کامران کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے استہزائیہ مسکراہٹ رانا عمران کی طرف اچھالے فخر سے سر بلند کیا۔ وہ ہکا بکا سا انہیں دیکھنے لگا۔

"لیکن مجھے تو....."

"چلیں ہمیں اجازت دیں پھر "اس سے پہلے وہ احنف کا بھانڈا پھوڑتا احنف نے اسے یکسر نظر انداز کرتے رانا کامران سے آخری بار مصافحے طور ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی میں سوار ہو گیا۔

" مجھے پچاس بتایا تھا اس نے "انھوں نے صدمے سے بھائی کو بتایا۔ انھیں ان کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔

"اچھا "وہ تمسخرانہ ہنسے " تو لے لیتے پھر "اچٹتی نگاہ ان پر ڈال کر وہ دروازے کے پار غائب ہو گئے۔

" کتنا خبیث انسان ہے یہ....."عمران نے صدمے سے اسکی دور جاتی گاڑی کو دیکھ کر کہتے دو تین گالیاں بکیں۔

احنف نے سائیڈ مرر سے مزے سے جلتے کلستے رانا عمران کے عکس کو دیکھا۔ وہ جانتا تھا یہ اٹکلیاں ضرور کرے گا اصل کلائنٹ تو اسکا رانا کامران ہی تھا بس انھیں بھائی کی ضد دلا کر اپنی من پسند رقم نکلوانا ہی اس کا پلین تھا۔

* * * * * * * * * * *

امراء بوتیک پہنچ کر صفائی کا جائزہ لیتے اپنے آفس میں چلی آئی۔ پی۔ سی کی اسکرین آن کرتے اس نے پینڈنگ آرڈرز کی لسٹ نکالی۔ سب کی سلپ پرنٹر میں منتقل کرتے چھاپنے لگی۔ تبھی اس کی نظر پندرہ دن پرانے آرڈر پر پڑی۔ اسکا حیرت سے منہ کھلا۔ ایسی غفلت تو اس نے یا اس کے اسٹاف نے آج تک نہیں کی تھی۔ امراء نے ساتھ پڑے انٹر کام کا ریسیور اٹھاتے سیکرٹری کو فوراً آفس میں بلایا۔

"یس میم" اسکے لہجے میں غصہ بھانپتے وہ جلدی سے حاضر ہوئی۔

"پینڈنگ آرڈرز کی لسٹ پر اپ لی چیک نہیں کی تھی؟" امراء آواز کو ہموار رکھتے غصے سے پوچھ رہی تھی۔

سیکرٹری نے ڈر سے ایک نظر اسکرین کو دیکھا "میم ہر روز کرتی ہوں" دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"تو پھر یہ انوشہ نام کا آرڈر پچھلے پندرہ دنوں سے پینڈنگ میں ہی کیوں پڑا ہے" امراء نے اسکرین پر انگلی بجاتے اس سے پوچھا "کیا تمہارا ہے؟" اسے آخر میں یہی سوجھا۔

Clubb of Quality Content

"نہیں میم میرا نہیں ہے بس نام سیم ہیں "اس نے جلدی سے تصیح کی "اور یہ پینڈنگ اسی لیے ہے کیونکہ ہمارے پاس ریڈ بلڈ کلر آؤٹ آف اسٹاک ہے"

"توری اسٹاک کون کروائے گا"امراء نے اس کا جواز رد کرتے تیوری چڑھائی۔

"میم وینڈر سے کافی عرصے سے رابطہ نہیں ہو سکا"اس کے بتانے پر امراء کے ہوش اڑے

۔

"اور یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو"امراء شاک سے کھڑی ہوئی۔

"سوری میم میں جب بھی بتانے کی کوشش کرتی آپ کسی نا کسی پریشانی میں بوتیک سے نکل جاتی تھیں"انوشہ نے ڈرتے بتایا.....

"کیا بکواس ہے"امراء نے فوراً نفی کی"دس سے شام پانچ بجے تک ہوتی ہوں میں یہاں ایک بار بھی تمہیں خیال نہیں آیا"امراء کو بلا کی حیرت گھیرے ہوئے تھی وہ کام چور تو نہیں تھی پھر کیسے یہ کوتاہی ہو گئی۔

"میم کسٹمرز کو اٹینڈ....."وہ منمنائی مگر امراء اسکے بے فضول کے جواز سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"انوشہ کو انفارم کیا اس بات کا"فوراً بات کاٹتے امراء نے پوچھا تو وہ لب بھینچے سر جھکا گئ ۔امراء کو مزید تپ چڑھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے.....دفع ہو جاؤ اس سے پہلے میں تمہارا سر قلم کروا دوں"وہ غصے سے پھٹ پڑی انوشہ جان کی امان پاتے فوراًوہاں سے گدھے کے سنگھ کی طرح غائب ہوئی۔ امراء نے چند لمبی سانسیں کھینچتے خود کو کمپوز کیا۔ پھر دماغ میں آنے والے لمحوں کی ساری سچویشن پلین کرنے لگی۔ کیسے اسے انوشہ سے معذرت کرنی تھی اور کیسے فوری طور پر اسکا آرڈر اسے بھجوانا تھا۔

سب سے پہلے اس نے انوشہ کو کال ملائی۔ دوسری طرف سے کسی نے کال نہیں اٹھائی اس نے پھر سے کی۔ پھر کوئی جواب نہیں"ٹھیک ہے یہ آخری بار ہے"خود کلامی کرتے اس نے تیسری بار کال ملائی۔ اس بار کچھ وقفے کے توقف سے کال اٹھالی گی۔

"ہیلو السلام و علیکم انوشہ میں اَمتا برانڈ کی اونر امراء بات کر رہی ہوں" امراء نے چھوٹتے ساتھ ہی اپنا تعارف کروایا۔

"جی و علیکم السلام" دوسری طرف سے آواز بہت باریک اور کٹ کٹ کر آ رہی تھی" جی بولیے" وہ بمشکل سن اور سمجھ پا رہی تھی۔

"انوشہ آپ نے کافی دونوں پہلے دس حجاب دوپٹوں کا آرڈر کیا تھا ہماری ویبسائٹ سے" امراء نے جھجھکتے کنفرم کیا۔

"جی" اس نے مختصر کہا

"ایم ایکسٹریملی سوری ہم ٹائم پر ڈیلیور نہیں کر پائے" وہ شرمندہ حال بول رہی تھی

"کوئی بات نہیں" انوشہ نے اطمینان سے کہا۔ امراء کو ڈھیروں حیرت نے گھیرا

"کیا آپ کو ابھی بھی آرڈر چاہیے" اس نے جھجھکتے پوچھا۔

"بالکل" دوسری طرف اطمینان برقرار تھا "کوئی مسئلہ ہے ڈیلور کرنے میں" انوشہ نے پوچھا تو پہلے امراء کا دل کیا اسے سچویشن سے آگاہ کردے۔ مگر وہ اتنی مخلص تھی اور امراء اپنی کوتاہی کی وجہ سے اسے مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی

"نہیں ..... نہیں کوئی مسئلہ نہیں ..... میں فوری طور پر آپ کا آرڈر بھجواتی ہوں سوری فار ڈیلے" امراء نے تھوک نگلتے بمشکل کہا۔

"شیور" یک لفظی جواب دے کر انوشہ نے کال بند کردی۔ امراء سرپرائز سی اپنی موبائل کی بجھی اسکرین کو دیکھنے لگی "دنیا میں ابھی بھی اتنے نرم خو لوگ موجود ہیں" اس نے داد دینے والے انداز میں خود کلامی کی۔ اگلے گھنٹہ اسکا نیا وینڈر ڈھونڈنے اور پرانے وینڈر کے غائب ہو جانے کی تلاش میں صرف ہوا (وینڈر (vendor) کا مطلب ہے بیچنے والا، دکاندار، یا سوداگر۔ اسے بائع یا فروشندہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایک ایسا شخص یا کمپنی ہوتی ہے جو کوئی چیز یا خدمت پیسے کے بدلے میں فراہم کرتی ہے۔)

وہ اپنا سامان اٹھاتے فوراً حجاب کا کپڑا کھوجنے کی تلاش میں مارکیٹ میں نکلی۔

* * * * * * * * * * *

دوپہر کا وقت تھا۔ سورج تیز چمک رہا تھا اور سڑک پر تپش لہروں کی صورت میں ناچ رہی تھی۔ گاڑی کے شیشوں پر سورج کی کرنیں جھلک رہی تھیں، اندر ایئر کنڈیشن کی ٹھنڈی ہوا کے باوجود ماحول میں ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ زین نے بلز وغیرہ کلیئر کیے اور سیدھا پارکنگ کی طرف بڑھا۔ اس کے قدم بھاری اور چہرہ سنجیدہ تھا۔ حنا م خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی، اس کے لبوں پر سوال تھے مگر وہ زبان پر نہ لا سکی۔

دونوں گاڑی میں بیٹھے تو جیسے لمحہ بھر میں فضا پر سکوت چھا گیا۔ انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی اس خاموشی کو توڑ نہ سکی۔ گاڑی دھیرے دھیرے سڑک پر آگے بڑھتی رہی۔ باہر بازار کی ہلچل تھی، لوگ دوپہر کی خریداری میں مصروف تھے، کہیں دکاندار آوازیں لگا رہے تھے، کہیں بچے دوڑتے پھر رہے تھے۔ مگر گاڑی کے اندر صرف خاموشی کا بسیرا تھا۔

حنام نے بار بار آنکھ کے کونے سے زین کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی تھیں، جیسے کوئی گہری سوچ اسے اندر ہی اندر گھسیٹ رہی ہو۔ اس کے ہونٹ بند تھے، ماتھے پر ہلکی سی شکن تھی۔ حنام کی بے چینی بڑھتی گئی۔ وہ انتظار کرتی رہی کہ شاید وہ خود کچھ بولے، مگر زین کی خاموشی جیسے پتھر کی دیوار بن گئی تھی۔

آخر کار وہ جھنجھلا اٹھی۔ ہمت کر کے اس کی طرف مڑی اور آہستہ مگر سخت لہجے میں بولی:

"اتنے خاموش کیوں ہو... کوئی بات ہے؟"

زین نے ذرا سا پلکیں جھپکائیں، ایک لمحہ اس کی طرف دیکھا لیکن کچھ نہ کہا.

حنام نے تنگ آ کر اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا اور اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ دیا۔ اس لمحے گاڑی کے اندر فضا مزید سنجیدہ ہو گئی۔

زین نے چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر نفی میں سر ہلایا اور دوبارہ سامنے دیکھنے لگا۔

حنام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"تو پھر بات کرو نا مجھ سے!" اس نے خفگی سے کہا۔

زین نے گہری سانس بھری، جیسے سینے پر کوئی بھاری بوجھ اترا ہو، اور دھیرے سے بولا:

"کیا بات کروں؟"

"کچھ بھی" وہ فرصت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

زین کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا "کچھ عرصہ پہلے جب میں پاکستان واپس آیا تھا۔ تو ماموں بھی اسی طرح آنکھیں موندے چہرے پر ماسک لگائے آئی۔وی ڈریس میں جکڑے سو رہے تھے "حنام پوری متوجہ سے سے اسے سننے لگی "میں کئی کئی گھنٹے ان کے پاس بیٹھا رہتا ان کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہتا مگر انھیں آنکھیں کھولنے میں کئی مہینے لگے۔ آج جب تمہیں اس حالت میں دیکھا تو پرانی یادیں تازہ ہو گئیں" زین نے بتاتے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا "ایسا لگا جیسے میں نے تمہیں بھی کھو دیا ہے دل کو دھڑ کا لگا ہوا تھا جانے تم آنکھیں کھولنے میں کتنے مہینے لگاؤ" حنام کے چہرے پر آہستہ سے مسکراہٹ نے احاطہ کیا چند ماہ پہلے جو لڑکا اس سے نفرت کرتا تھا وہ اسکے لیے پریشان ہو رہا تھا۔

"مجھے تو آنکھیں کھولنی ہی تھیں۔ ورنہ یہ اترا چہرہ یہ بے قراری کیسے دیکھتی" حنام کے چہرے میں شوخی گھلی تو زین نے جھینپتے چہرہ موڑا۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے" اس نے فوراً نفی کی۔

"اچھا جی" حنام قدرے آگے ہو کر شوخ لہجے میں پوچھتے اسکا چہرہ دیکھنے لگی جو مسلسل اس سے رخ کیے ہوئے تھے "یہاں دیکھو ذرا..... چہرہ دکھاؤ اپنا" وہ شرارت سے اسے چھیڑ رہی تھی زین کے چہرے پر مسکان اور خوشی کے رنگ پھیلنے لگے۔ وہ اسے لیے کلفٹن کے سی۔ ویو سائیڈ پر چلا آیا۔ سیکیورٹی سے اجازت لیتے گاڑی کو سمندر کے پاس لے آیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟" حنام سرپرائز سی بڑی بڑی آنکھوں میں خوشی اور حیرت کے شرارے بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔ زین مسکراتا رہا کوئی جواب نا دیا۔ گاڑی لہروں کے قدرے قریب کھڑی کرتے۔ وہ اتر کر گھوم کر حنام کر طرف آیا

"آؤ" دروازہ کھولے دایاں ہاتھ بڑھا کر اسے باہر آنے کا کہا۔ حنام پہلے جھجھکی پھر مسکراتے اپنا بایاں ہاتھ اسکے ہاتھ میں تھمایا اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔ زین اسکے قدموں میں جھک

کر بیٹھا اس مر مریں سفید پاؤں نازک اسٹریپس والی سیاہ سینڈل سے باری باری آزاد کیا۔

حنام دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ زین نے سینڈل گاڑی میں رکھی۔ پھر اپنے جوگر اور ساکس اتارتے بھی گاڑی میں رکھتے دروازہ بند کیا۔ اور اسکا ہاتھ پکڑے لہروں میں چلنے لگا۔

لہریں ہوا کی دوش پر بے قابو ہو رہی تھیں.....

"تمہاری ایس۔ یو۔ وی سمندر میں بہہ جائے گی" حنام نے ہوا کے شور میں قدرے اونچی آواز میں اسے باور کرایا.....

"نہیں بہتی" وہ اسے لیے گاڑی سے قدرے دور پنڈلیوں تک آتے سمندر کے پانی میں کھڑا ہوا۔

"کیا ارادے ہیں زین العابدین صاحب" اسکے ٹھہرنے پر حنام نے اس کے روبرو کھڑے ہوتے پوچھا۔

"پتہ نہیں" زین نے خمار گی سے کہتے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔ اور اسکے چہرے پر کھیلتی آوارہ لٹوں کو کان کے پیچھے اڑسنے لگا۔ حنام کے اندر بے چین سی تتلیاں اڑنے لگیں وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھنے لگی۔

"واپس چلو میرے پاؤں کے نیچے سے ریت سرک رہی ہے زین" حنام نے کہتے رخ موڑا تو زین نے اسکا ہاتھ تھامے روکا۔ اگلے لمحے اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر وہ خود سے قریب کیے اسے اپنے پیروں پر کھڑا کیے ہوئے تھا۔ حنام کے لیے یہ عمل بالکل بھی متوقع نہیں تھا وہ حواس باختہ سی اسے دیکھنے لگی "اب نہیں سرکے گی ریت" زین نے اسکے کان کے پاس جھکتے سرگوشی کی۔ حنام کا دل سینہ چیرتے کانوں میں دھڑکنے لگا۔ اسکی سانسوں کی تپش حنام کے کان کی لو سلگا رہی تھی۔ وہ اسکے اتنا قریب تھا کہ حنام اپنی اور زین کے دل کی دھڑکن میں کوئی فرق محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔ سمندر کی لہروں کا شور اور بگلوں کی چہچہاہٹ بڑھنے لگی۔ وہ اسکے ماتھے سے اپنا ماتھا ٹکائے زین کی ہڈی کے اوپر پہنی جیکٹ

کے کنارے مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔پانی گھٹنوں تک بڑھ رہا تھا۔وہ دونوں خاموشی سے آنکھیں موندے سکون سے کھڑے تھے۔

تبھی کئی گاڑیوں کی تیزی سے ان کی طرف آتی آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔حنام نے چہرہ موڑ کر عقب میں دیکھا اور اسکی سانس وہیں سلب ہو گئی۔زین کے حلق میں بھی گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔وہ جلدی سے زین کے پاؤں سے اترتے قدرے دور ہوئی زین نے بروقت اسکا ہاتھ تھامتے اسے لہروں میں ڈوبنے سے بچایا۔وہ دونوں جلدی سے سمندر سے باہر آئے تب تک گاڑیاں ان کے نزدیک آتے رک چکی تھیں۔زمین سیکورٹی فورسز کے بوٹوں کی آواز سے دھڑکنے لگی۔عالمگیر پریشان چہرہ لیے بھاگتا ہوا اسکے پاس آیا۔ ایک نظر اسے دیکھا اور فکرمندی سے اسے گلے لگائے اسکا سر اور چہرہ چومنے لگا۔

"ہانو تم ٹھیک تو ہو ناں بچے"وہ دیوانہ وار اسے جانچتے پوچھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ڈیڈ.....ایم ایبسلوٹلی فائن"حنام نے اسکے ہاتھ تھامے تسلی دی۔عالمگیر کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔اس نے پھر سے حنام کو گلے لگا لیا پھر زین پر نظر پڑی تو غصے سے چہرہ

سرخ ہوا۔ حنام کو ایک طرف ہٹاتے اس نے غصے سے زین کی طرف بڑھتے اسے پیچھے کو دھکا دیا۔ وہ لوگ سمندر کی لہروں کے پاس ہی کھڑے تھے۔ گا ہے بگاہے لہریں آ کر ان کے پاؤں بھگا رہی تھیں۔ عالمگیر کے قیمتی جوتے بھی اس وقت ریت اور کھارے پانی کے نظر تھے مگر اسے پرواہ نہیں تھی.....

"میری بیٹی کی حالت کا مطلع نہیں کرنا تھا تم نے" وہ غصے سے اس پر برس رہا تھا۔ زین کا ڈر کے مارے خون سوکھ چکا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا جواب دے۔ "تمہارا حنام کے آس پاس ہونا ہی مجھے پہلے دن سے کھل رہا تھا.....بتاؤ کیا کیا تم نے اس کے ساتھ" وہ طیش سے اسکا گریبان پکڑے پوچھ رہا تھا۔ حنام جلدی سے ان کی طرف بڑھی۔

"ڈیڈ.....ڈیڈ" حنام بمشکل زین کا گریبان چھڑاتے ان دونوں کے بیچ حائل ہوئی.....

"میرا بی پی لو ہو گیا تھا۔ اس میں زین کو کوئی قصور نہیں" وہ جلدی سے بتا رہی تھی۔ مگر عالمگیر کے چہرے پر یقین کرنے تاثرات بالکل بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"سچ میں ڈیڈ ٹرسٹ می" حنام نے دوبارہ سے کہا تو عالمگیر نے خود کمپوز کرتے غصے کو دبایا اور پھر ارد گرد دیکھتے واپس سے زین کو دیکھا۔

"یہاں کیوں لائے ہو اسے"

"میں.....میں لائی تھی اسے.....ضد کر کے آئی سوئیر.....آئی سوئیر" حنام نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے عالمگیر کو زین سے باز رکھتے اس کا دفاع کیا۔عالمگیر کیلئے اسکی کسی بات پر یقین کرنے کو دل نہیں کر رہا تھا مگر حنام کی طبیعت ابھی بھی سنبھلی تھی تو وہ غصہ پیتے بولا۔

"ٹھیک ہے چلو یہاں سے.....باقی باتیں بعد میں کریں گے" وارننگ کے انداز میں زین کو دیکھ کر کہتے اس نے حنام کا بایاں ہاتھ تھام پھر اس کے بھیگے فراک پر نظر پڑی تو بڑھ کر اسے بانہوں میں اٹھالیا۔

وہ قدرے دور ہوئے تو زین نے بے اختیار سینے میں دبی سانس خارج کی۔حنام نے مسکراتے ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہتے دور ہو رہی تھی۔زین نے بھی فضا میں ہاتھ ہلاتے اسے

الوداع کہا۔ عالمگیر کی اسکی طرف پیٹھ تھی ورنہ اسکی غصے بھری نظریں ہی کافی تھی اس کیلئے۔

*************

بالآخر ان کی شکست کی گھڑی آن پہنچی تھی۔ پہلے ٹینڈر کا فیصلہ آچکا تھا۔ احنف اپنے کمرے میں کھڑا، نک سک سے تیار، آئینے کے سامنے کھڑا خود کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ لباس کی ہر شکن درست کر رہا تھا، جیسے آج کے دن کے لیے اپنی ہمت کو بھی درست کرنا ضروری ہو۔ آج وہ پہلی بار اپنے حریف، اپنے ازلی دشمن عالمگیر برفات سے آمنے سامنے ہونے والا تھا۔

"چلیں بھائی؟" خضر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ بھی مکمل تیاری کے ساتھ تھا، مگر چہرے پر عزم کے ساتھ ساتھ بے چینی کی ہلکی سی پرچھائیں بھی تھی۔ احنف نے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر دوبارہ آئینے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لمحہ بھر خاموشی کے بعد اس نے دھیرے سے کہا۔

"خضر، آج آپ ہمارے ساتھ نہیں جا رہے۔" خضر ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور چہرے پر ہونکاہٹ چھا گئی۔

"کیوں؟" اس کی آواز بھاری اور زخمی ہو گئی۔ احنف نے آئینے سے نظر ہٹا کر سیدھا اس کی طرف دیکھا۔

"ہم نہیں چاہتے کہ آپ اس شخص کا چہرہ دیکھیں... خاص طور پر اس وقت، جب ہماری شکست طے ہے۔" خضر کی بھنویں سکڑ گئیں، دل پر جیسے کسی نے چوٹ لگائی ہو۔

"تو آپ شرمندہ ہو رہے ہیں مجھے ساتھ لے جانے کے لیے؟" اس کے لہجے میں دکھ اور شکوہ دونوں تھے۔

"خضر!" احنف نے قدرے برہمی سے اسے ٹوکا۔ "ہم بس آپ کو پروٹیکٹ کر رہے ہیں۔" اسے اسکی بات پر ڈھیروں غصہ آیا۔ مگر خضر کی آنکھوں میں ضد بھڑک اٹھی۔

"میں ایسی سچویشن میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا، بھائی۔" احنف لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گیا، پھر گہری سانس لے کر غصہ جھٹکتے اس کے قریب آیا۔ اس نے خضر کے دونوں

کندھوں پر ہاتھ رکھے، آنکھوں میں بھروسہ ڈال کر اسے دیکھا "ہم سب سنبھال لیں گے، خضر۔ ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ بھروسہ رکھیے... پلیز۔ ایک آخری دفعہ۔" خضر کا دل جیسے رُک سا گیا۔ وہ بے بس نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھتا رہ گیا۔ جواب کے لیے لب ہلے مگر آواز نہ نکل سکی۔

"آپ آفس جائیے ہم آپ کو وہیں ملینگے جلد انشاءاللہ" احنف نے نرمی سے اس کا شانہ تھپتھپایا، پھر رخ موڑ کر باہر بڑھ گیا۔ نوشاد بیگم سے دعائیں لیں اور گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیے۔ کمرے اور مرزا محل میں ایک سناٹا سا چھا گیا، جبکہ احنف اپنے سفر کی طرف رواں ہو گیا—اس سفر کی طرف جو اسے براہِ راست اپنے دشمن کے سامنے لے جانے والا تھا۔

شہر کی گہما گہمی سے گزرتی ہوئی گاڑی جب طے شدہ عمارت کے سامنے رکی تو لمحہ بھر کو احنف نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ اونچی عمارت کے شیشے دھوپ میں چمک رہے تھے، گویا اپنی رعونت کے ساتھ اسے چیلنج دے رہے ہوں۔

وہ گاڑی سے اترا، قدم ناپ تول کر آگے بڑھایا۔ ہر قدم کے ساتھ دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی مگر چہرے پر سنجیدگی اور اعتماد کی سخت نقاب جمی رہی۔ گیٹ پر گارڈ نے نظریں جھکا کر سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔ احنف نے بغیر کسی تاثر کے سر ہلایا اور اندر داخل ہو گیا۔ لفٹ کے شیشے میں لمحہ بھر کو اس نے اپنا عکس دیکھا۔ اور گہری سانس لیتے آنکھوں میں عزم بھرا۔

اونچی عمارت کی آخری منزل پر کانفرنس ہال میں ایک بڑی گول میز سجی ہوئی تھی۔ کمرہ ٹھنڈی روشنی اور جدید سجاوٹ کے باوجود بوجھل لگ رہا تھا۔ دیواروں پر بڑے بڑے پروجیکٹس کے خاکے لگے تھے اور ایک کونے میں پروجیکٹر کی مدھم روشنی جھلک رہی تھی۔ میز کے گرد چند اہم شخصیات پہلے ہی اپنی نشستوں پر موجود تھیں، دروازہ کھلا، اور احنف دھیمے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کا سوٹ بے حد سلیقے سے پہنا ہوا، چہرے پر سنجیدگی کی دبیز تہہ اور آنکھوں میں عزم کی سخت روشنی جھلک رہی تھی۔ دروازے پر کھڑے ایک انتظامیہ افسر کو اپنا پاس چیک کرواتے وہ اسکی بتائی ایک خالی نشست کی طرف

بڑھا۔عالمگیر کی اسکی طرف پشت تھی وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے روبرو ہو رہا تھا۔

ایک بار مرزا صاحب نے اسے بتایا تھا کہ اعلی نسل کے گھوڑے کی پہچان دور سے ہی ہو جاتی ہے اس کا کسی کو بتانا نہیں پڑتا اسکی وجیہہ انداز اور اسکا لک بتا دیتا ہے۔ آج جانے عالمگیر کو دیکھتے اس ان کی بات کیوں یاد آ گئی تھی۔وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا ۔عالمگیر برفات کی اعلی پرفیوم کی خوشبو دس قدم دور سے ہی نتھنوں میں اثر چھوڑ رہی تھی۔ قیمتی سیاہ سوٹ ہاتھ میں بندھی بیش قیمتی گولڈن رنگ کی گھڑی اور جیل سے سیٹ کیے ڈارک براؤن بال جن میں کچھ نکل کر ماتھے کے بائیں طرف شرارت کر رہے تھے۔وہ ہوا کی دوش سے نکلے تھے یا شاید اسکا اسٹائل ہی یہی تھا۔عالمگیر آئی پیڈ اسکرین پر دیکھتے اپنے سیکرٹری سے بات کر رہا تھا۔ آہٹ پر نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ہیزل براؤن رنگ کی شکاری آنکھیں ایک لمحے کو احنف مرزا کو بھی مرعوب کر گئیں۔وہ جھجھکتے قدم بھرتے ٹھہرا عالمگیر کے چہرے پر پہچاننے کی کوشش کے تاثرات پھیلے آنکھیں قدرے چھوٹی ہوئیں۔وہ

سر خم کر کے سلام کرتا آگے بڑھ گیا اور عالمگیر کے دائیں جانب کی دوسری کرسی پر جا بیٹھا

۔

اس کے سیکرٹری نے شاید احنف کا تعارف کروایا تھا۔ عالمگیر کی ناک اور آنکھیں غرور سے اٹھیں چہرے پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ اپنی مرکزی کرسی پر آبیٹھا۔ میٹنگ شروع ہونے والی تھی باقی سب نے بھی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

"خواجہ صاحب آج کل بچے بھی ٹینڈر میں بڈ کرنے لگے ہیں؟" اس نے دائیں طرف بیٹھے ادھیڑ عمر آدمی کو مخاطب کرکے احنف کو بغور دیکھتے مسکرا کر استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

احنف سر جھکائے مسکرا دیا۔ عالمگیر کی بات پر وہ آدمی کھلکھلایا اور ناپسندیدہ نظر احنف پر ڈالی۔

"بس کیا کریں برفات صاحب آج کل کے بچوں کو بڑا ہونے کا بہت شوق ہے" اسکی بات پر باقی سب بھی کھلکھلائے۔ مگر عالمگیر نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

احنف نے نظر اٹھا کر عالمگیر کو دیکھا اسکی ہلکی بڑھی شیو میں کہیں کہیں سلور بال دکھ رہے تھے وہ مسکرا دیا "آپ بھی تو بوڑھے ہو رہے ہیں عالمگیر صاحب، آپ بھی تو ابھی تک یہاں

موجود ہیں" احنف کی بات پر کانفرنس روم میں سکتہ چھایا عالمگیر کی مسکراہٹ ایک پل کو ڈھلکی پھر وہ خوشدلی سے مسکرادیا۔

"شیر کتنا بھی بوڑھا ہو جائے بچے وہ دھاڑنا نہیں بھولتا..... موقع ملتے ہی اپنے شکار چیر پھاڑ کرر کھ دیتا ہے "اس کی آنکھیں غرور سے چمکیں احنف کی مسکراہٹ ماند پڑ گئی اور آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں سلگیں۔

کچھ ہی دیر بعد کانفرنس ہال میں خاموشی چھا گئی اور اینکر نے مائیک پر جھک کر ٹینڈر کا نتیجہ پڑھ کر سنایا۔ جیسا کہ سب کو اندازہ تھا، فیصلہ عالمگیر برفات اور اس کے دوست کی مشترکہ کمپنی کے حق میں آیا۔ لمحہ بھر کو پورے ہال میں زوردار تالیاں اور مبارکبادوں کی گونج اٹھنے لگی۔ لوگ مسکراتے ہوئے عالمگیر سے ہاتھ ملا رہے تھے، کوئی کاندھے پر تھپک رہا تھا، کوئی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا۔ منظر ایک جشن کا سا لگنے لگا۔

احنف اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پر نہ تو مایوسی تھی، نہ ہی حیرت—بس ایک عجیب سا سکون، جیسے وہ پہلے سے سب جانتا ہو۔ کچھ دیر کی گہما گہمی کے بعد ماحول

سرگوشیوں میں بدلنے لگا۔ نگاہیں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں، مگر احنف بالکل ساکت رہا۔ پھر وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور دھیمے قدموں کے ساتھ سیدھا عالمگیر کی طرف بڑھا۔

"جیت مبارک ہو، عالمگیر صاحب۔ "احنف کی آواز پرسکون تھی، لہجے میں عجیب سا اطمینان چھلک رہا تھا۔

عالمگیر نے غرور بھری نگاہ سے اسے دیکھا اور ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائی۔

"کوئی بات نہیں، بچے... ہار جیت زندگی کا حصہ ہیں۔ کبھی کوئی مدد چاہیے ہو تو بتانا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے احنف کے کندھے پر فاتحانہ انداز میں ہاتھ رکھا۔ احنف نے لمحہ بھر کو اس ہاتھ پر نگاہ ٹکائے رکھی، پھر ترچھی مسکراہٹ کے ساتھ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"بالکل..." اس نے مسکراتے ہوئے کہا، "جلد تکلیف دیں گے آپ کو۔"

عالمگیر نے قہقہہ لگایا، اور تکیہ کلام کے طور پر بے پروا لہجے میں کہا "ہاں، کیوں نہیں!" مگر فرق یہ تھا کہ احنف کے لفظوں میں چھپی "تکلیف" کا مطلب تھا—درد، زخم، انتقام۔

جبکہ عالمگیر نے اسے محض "تکلف" سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

اور شاید یہی بھول اس کے آنے والے خسارے کی بنیاد بننے والی تھی۔

احنف نے وہاں مزید ایک لمحہ بھی گزارنا مناسب نہ سمجھا۔ دھیرے قدموں سے وہ گول میز کے گرد سے گزرتا ہوا دروازے تک پہنچا۔ جاتے جاتے چند لوگوں نے اسے آواز دینا چاہی مگر اس نے محض رسمی سی مسکراہٹ دے کر آگے بڑھا دیا۔

باہر نکلتے ہی راہداری کی ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے رکا، جیسے دل کی دھڑکن کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر جیب سے رومال نکال کر ہاتھ صاف کرتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑایا "یہ صرف آغاز ہے، عالمگیر... تم نے بات ہنسی میں اڑا دی، لیکن بہت جلد تمہیں احساس ہو گا کہ یہ کھیل اتنا آسان نہیں۔" اس کے قدم بھاری مگر پُراعتماد تھے۔ لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے آخری بار ہال کے دروازے کی طرف دیکھا، جیسے اپنے دشمن کے قلعے کو دیکھ کر خاموشی سے کوئی عہد باندھ رہا ہو۔ لفٹ کے دروازے بند ہوتے ہی اس کے دل میں ایک ہی خیال گونج رہا تھا۔

"آج بازی تمہاری تھی، مگر کل کا کھیل... ہمارے نام ہو گا عالمگیر برفات ٹشو سنبھال کر رکھنا آنسو پونچھنے کے کام آئیں گے"

*************

کئی دکانوں سے کپڑا چیک کرنے اور کئی دکانداروں کے نئی دکانیں تجویز کرنے کے بعد وہ آرام باغ مارکیٹ پہنچی۔ کیونکہ اس کا وینڈر بنا کوئی الرٹ یا وارننگ کے یہ کام چھوڑ چکا تھا۔ جو چیز کراچی کے مختلف بازاروں کو کھنگالنے کے بعد بھی نہیں ملتی تھی وہ آرام باغ میں ملتی تھی۔ چند اور گھنٹے خوار ہونے کے بعد بالآخر اسے مطلوبہ رنگ اور اعلی معیار کا کپڑا مل گیا تھا جو وہ اپنے برانڈ کیلئے یوز کرتی تھی۔

"آپ کو بنانا کیا ہے اسکا" کراچی کے دکانداروں کا پوچھے جانے والا پسندیدہ سوال۔

"مجھے دس حجاب کے دوپٹے بنوانے ہیں" امراء ٹشو سے پسینہ صاف کرتے بتایا اور دور کھڑے بظاہر اس سے انجان مگر الرٹ کھڑے اپنے سیکیورٹی گارڈز کو کن اکھیوں سے دیکھا جو اسے شرمندہ کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔

"ارے "دکاندار کا پیمانے سے ناپ کرتا ہاتھ تھما اور لہجے میں افسوس گھلا" یہ کپڑا تو کم پڑے گا" اس کے بتانے پر امراء کا دل ڈوبا یعنی پھر سے کھوج شروع کرنی تھی۔

" کتنا ہے" امراء نے ڈرتے پوچھا۔

"یہ موٹا موٹا سا زیادہ سے زیادہ نو حجاب کا کپڑا ہو گا" دکاندار پشتون تھا تو وہ گلابی اردو میں بات کر رہا تھا۔اسکے بتانے پر امراء نے متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھتے لب کاٹے۔

"کسی اور سے ملے گا یہ کپڑا؟" امراء نے وہی سوال پوچھا جو پچھلی بیس دکانوں سے پوچھ کر یہاں تک پہنچی تھی۔

"مشکل ہے" دکاندار نے نفی میں سر ہلاتے اسکی امید توڑی "یہ کپڑا مارکیٹ میں آنا بند ہو گیا ہے لوگ سستا کپڑا لیتا ہے اچھے کپڑے کی پہچان کم ہو گئی ہے" وہ تفصیل سے بتا رہا تھا اور امراء بے دلی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا فی الحال یہی دے دیں" امراء نے بے دلی سے کہا اور کوئی آپشن نہیں تھا یہ نا یہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے اس نے خود کو زرنش کی۔ کپڑا لیے وہ وہیں مارکیٹ میں بنی پیکو شاپ پر پہنچی۔ حجابوں کی کٹنگ کروا کر پیکو کرواتے اس نے ان کے کونوں پر مختلف ایلفابیٹ کی کڑھائی کروائی جیسا کہ انوشہ کے آرڈر میں اسپیشلی طور پر لکھا گیا تھا۔

صبح گیارہ بجے سے نکلے دوپہر کے تین بج رہے تھے اور وہ پسینے سے بری طرح شرابور پیکو کی تنگ سی دکان میں کرسی پر بیٹھی کام مکمل ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے تیسے اللہ اللہ کرتے کام ختم ہوا پیمنٹ کرتے وہ جلدی سے باہر آئی۔ اور تیزی سے اپنی کار کی طرف بڑھی۔ گاڑی کے انجن کے آن کرنے کا وہ پانچ منٹ پہلے ہی بول چکی تھی۔ ڈرائیور کو نیچے

اتارتے اس نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور فوراً خود کو عبایہ سے آزاد کرتے اے۔ سی کی ہوا اپنے رگ وجان میں اتارنے لگی۔

"قسم سے یہ بہت بڑی نعمت ہے" لمبی لمبی سانسیں لیتے اس نے سکھ کا سانس لیا۔ منی فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر لبوں سے لگائی۔ جسم میں قدرے سکوں پہنچا تو اس نے گاڑی کوریئر آفس کی طرف بڑھائی۔ اسے پارسل کی اوور نائٹ ڈیلیوری کروانی تھی۔ وہ مزید ڈیلے نہیں کر سکتی تھی۔ راستے میں اس نے انوشہ کو دوبارہ سے کال ملاتے بلیوٹوتھ سے گاڑی کے اسپیکر سے کال کنیکٹ کی۔ اس بار پہلی بار میں ہی کال اٹھالی گئی

"انوشہ امراء ہئیر" امراء نے فوراً سے کہا۔

"جی۔ جی بولیے" اسنے پہچانتے کہا۔ اس کی آواز ہنوز اسی طرح باریک سی کٹ کٹ کر آرہی تھی۔

"ایکچوئلی ہمارا وینڈر ہمیں دھوکہ دے کر کہیں گم ہو گیا ہے"

"اوہ" انوشہ نے افسوس ظاہر کیا

"جی تو میں نے کسی طرح آپ کے آرڈر کا بندوبست کر تو لیا ہے مگر ایک حجاب کم ہے"

امراء نے شرمندگی سے بتایا

"کوئی بات نہیں"دوسری طرف اسی اطمینان سے جواب آیا" آپ نے اتنی محنت کر کے

ڈھونڈے یہی بہت ہے"اس، کے لہجے میں شہد جیسی مٹھاس تھی

"ارے نہیں شرمندہ نہیں کریں"امراء نے اسٹیرنگ گھماتے خفت سے کہا"یہ تو آپکی

زرع نوازی ہے.....مجھے تو ڈر تھا جانے کیا کیا سننا پڑے گا آپ سے آرڈر تاخیر کرنے پر

"

"ارے نہیں"دوسری طرف سے وہ کھلکھلائی"اب شرمندہ آپ کر رہی ہیں مجھے"

"ارے نہیں ایسا مت کہیں اتنی عزت مجھے گھر والوں نے نہیں دی جتنی آپ دے رہی ہیں

"امراء نے ہنستے ہوئے بتایا اور سائیڈ مرر سے مختلف بائیک پر آتے سیکیورٹی گارڈز کو دائیں

بائیں سر ہلاتے افسوس سے دیکھا

"ارے.....ایسے کیوں؟"دوسری جانب انوشہ ہنستے ہوئے متجسس سی بولی۔

"بس ہوتی ہے کسی کسی کی بری قسمت" امراء نے کوریئر آفس دیکھتے یوٹرن لیا" گھر کی مرغی دال برابر والا سین ہے"

"ہاہاہاہا پھر تو بہت برا ہو رہا ہے آپ کے ساتھ" انوشہ نے اسکی حالت پر افسوس کیا۔

"ارے یہ تو کچھ بھی نہیں" امراء نے گاڑی پارک کرتے کہا" ابھی ظلمت کی داستانیں بہت ہیں..... پھر کبھی سناؤں گی ابھی تھوڑا کام ہے"

"ہاہاہاہا..... شیور مجھے انتظار رہے گا" انوشہ نے کہتے الوداع کرتے کال کٹ کر دی۔ امراء نے خوشگوار طور پر موبائل اسکرین کو دیکھا۔ کبھی کبھی کوئی انجان کیسے یوں لمحوں میں آپ کا دن بنا جاتا ہے۔ دلی سکون سے مسکراتے اس نے پیسنجر سیٹ پر پڑے عبایہ کو اٹھا کر پہنا۔ ابھی کام باقی تھا.....

* * * * * * * * * * *

عالمگیر ناراضگی بھری نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی کچھ دیر پہلے ملی جیت غارت ہو چکی تھی۔ حنام پر آئی ایک چھوٹی سی خراش بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پھر آج تو وہ انجان

لوگوں کے بیچ بے، انجان لوگوں کے سپرد تھی۔ اور وہ نروٹھے پن سے آرم ریسٹ دونوں کے بیچ حائل کیے سینے پر ہاتھ باندھے دوسری طرف چہرہ کیے کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی۔ یہ ماں بیٹی ہمیشہ مجھ سے ہی معافی منگواتی ہیں چاہے غلطی کسی کی بھی ہو" عالمگیر نے افسوس سے دل ہی دل میں سوچا

"ایم سوری ہانو تم پر غصہ ہوا" وہ نرم لہجے میں بولا مگر حنام نے کوئی جواب نا دیا "ہانو میری طرف دیکھو بچے" عالمگیر نے اسکی ٹھوڑی سے پکڑتے اسکا چہرہ زبردستی اپنی جانب موڑا۔

" آپ کو پتہ ہے آپ کتنے ٹاکسک ہوگئے ہیں آج کل" حنام نے شکوہ کیا۔

" کیا کہا..... ٹاکسک؟" عالمگیر نے صدمے سے بیٹی کو دیکھا اس نے فوراً اوپر نیچے سر ہلایا۔

"بالکل..... کوئی پرسنل اسپیس ہوتی ہے کہ نہیں..... میری لائف میں ایک پرسنٹ بھی نہیں رکھی آپ نے" حنام منہ بنائے بول رہی تھی "دادا یا نانو نے کبھی آپ کو ٹوکا تھا جب آپ مما کے ساتھ انوالو تھے" حنام اسکی آنکھوں میں دیکھتے بے خوف پوچھ رہی تھی۔

"نہیں "عالمگیر نے نفی کی" کیونکہ میں اس سے محب .....۔ "باقی کے الفاظ اسکے لبوں میں دم توڑ گئے روانی سے کہتے اس نے شاک کے عالم میں بیٹی کو دیکھا" سیر یسلی حنام "صدمے سے چیخ کے طور الفاظ نکلے حنام نے بے اختیار بائیں کان میں انگلی دابی۔ حنام اپنی بات اس تک پہنچا چکی تھی تو اس نے واپس ناراضگی سے اپنا رخ دوسری جانب موڑ لیا۔

"حنام..... آر یو....."عالمگیر سر پکڑے ٹوٹے بکھرے لفظوں میں پوچھنا چاہ رہا تھا مگر الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ ذہن میں زین کا عکس آتے اسکا غصہ مزید بڑھ رہا تھا" آئی کانٹ بیلیو وہ چوزہ ملا تھا تمہیں "عالمگیر نے صدمے اور غصے سے کہا.

"ڈیڈ "حنام نے برا مناتے چہرہ اسکی طرف پھیرتے زین کی توہین پر اسے ٹوکا۔

"نو حنام....."عالمگیر نے حتما کہا" آئی سوئیر بائے گاڈ..... وہ چوزہ تمہاری چوائس ہرگز نہیں ہو سکتا" عالمگیر نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے سانس لینے کی کوشش کی۔

"ڈیڈ جسٹ اسٹاپ "حنام غصے سے بھڑکی

"تم میرے ساتھ اسے کمپیئر کر رہی ہو"عالمگیر سیٹ بیلٹ کھولتے اسکی طرف گھوما"میں تمہاری ماں کے ساتھ ہوتا تھا تو کسی باپ میں جرآت نہیں ہوتی تھی مجھ سے سوال پوچھ سکے .....اور اسکی تو تمہارے باپ کے سامنے بولنے کی جرآت نہیں ہوتی کسی اور کے سامنے کیا خاک بولے گا"عالمگیر غصے سے صاف انکار کر رہا تھا۔ڈرائیور اور پیسینجر سیٹ پر بیٹھا طیب انھیں یکسر نظر انداز کیے کان بند کیے ہوئے تھے

"نارمل لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں ڈیڈ"حنام زین کے دفاع میں بولتے غصے سے اکھڑی"ہر کوئی عالمگیر برفات نہیں ہوتا"اس نے باپ کو باور کرایا

"ہو بھی نہیں سکتا"عالمگیر نے طنز سے کہا ٹائی اتار کر نیچے پھینکتے کالر کا بٹن کھولتے گہری سانسیں لینے لگا۔

"آئندہ مجھے اس طرح سے ٹوکیے گا مت"حنام نے دھیمی آواز میں نروٹھے پن سے کہا

"اس سے دور رہو.....ورنہ اس کیلئے اچھا نہیں ہو گا"وہ بھی اس کا باپ تھا بدلے میں اس نے سنجیدگی سے کہتے وارن کیا۔حنام نے شکوہ کناں نظروں سے باپ کو دیکھا جس کے چہرے

اور آنکھوں میں کوئی نرم تاثر نمایاں نہیں تھا۔ گاڑیاں ڈائمنڈ پیلس میں داخل ہو چکی تھیں۔ صوفیہ ہاتھوں میں حنام کے چپل پکڑے ان کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ واک وے پر گاڑیاں رکیں۔ صوفیہ نے بڑھ کر حنام کی طرف کا دروازہ کھولا۔ حنام نے مڑ کر ایک آخری بار باپ کو دیکھا۔

"ڈیڈا گر آپ نے اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو سمجھ لیجیے گا وہ نقصان مجھے پہنچے گا" غصے سے باور کراوتے وہ اسے بہت کچھ جتا گئی۔ عالمگیر نے غصے سے بیٹی کو دیکھا جو چپلوں کو رد کرتے ننگے پاؤں ہی تپتی واک وے پر چلتی چلی گئی

"ہانو....." عالمگیر نے غصے سے اسے پکارا مگر وہ ان سنی کرتی چلتی چلی گئی۔

"دفع ہو جاؤ سب یہاں سے" عالمگیر غصے سے بلبلاتے ان سب کو ڈانٹتے گاڑی سے اترا اور تیزی سے اندر کو بڑھا۔

"کیا ہوا؟" پہلے حنام کی ابتر حالت اور پھر عالمگیر کو غصے سے گھر میں داخل ہوتے دیکھ مریم غیر حواساں سی لاؤنج سے نکلتے اسکی طرف بڑھی۔

"پاگل ہو گئی ہے تمہاری بیٹی" عالمگیر نے غصے سے بتاتے پانی سے بھیگے جوتے اتار کر ایک طرف پھینکے۔ پھر جرابیں اتار کر بھی وہیں پھینکیں۔

"ہوا کیا ہے؟" وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

"یونیورسٹی میں بے ہوش ہو گئی تھی وہ" اسکے بتانے پر مریم کا دل دھلا۔

"پھر" مریم نے بے قراری سے پوچھا۔

"پھر وہ....." عالمگیر غصے سے بولتے بولتے رکا۔ لب کاٹتے خود کو مریم کو زین کے بارے میں بتانے سے باز رکھا۔ جانے اس کا ری ایکشن کیسا ہو "سوشل میڈیا اور انجان کالز سے پتہ چلا مجھے میری بیٹی کا کہ وہ ہاسپیٹل میں ہے" اس نے بات دباتے خود ہی معاملہ سلجھانے کی سعی کرتے موضوع بدلا۔ صوفیہ نے پاس آتے جھک کر اس کے پاس جوتے رکھے۔

"کوئی اسسٹنٹ کوئی فی میل باڈی گارڈ ہائر نہیں کروا سکتی اس کے ساتھ تم" عالمگیر نے غصے سے ڈانٹتے کوٹ اتار کر صوفیہ کو پکڑایا۔

"یونیورسٹی میں کون لے جاتا ہے اسسٹنٹ یا باڈی گارڈ کو" مریم نے غصے سے شوہر کو دیکھا

"تمہاری بیٹی لے جائے گی فوراً انتظام کرواؤ" جوتے پاؤں میں اڑستے اس نے حکم دیا۔

"ہم دونوں پر کیوں برس رہے ہو غلطی تو امراء کی ہے اسے پتہ تھا حنام کی طبیعت خراب ہے زبردستی کیوں لے کر گئی اسے یونیورسٹی" مریم نے توپوں کا رخ امراء کی طرف کیا ۔عالمگیر نے حیرت سے اسے دیکھا

"امراء نے....."

"جی بالکل.....پوچھو اپنی لاڈلی سے" اسکی بات کاٹ کر تڑاخ سے کہتی وہ زینے چڑھتی حنام کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔عالمگیر مضطرب سا لب کاٹنے لگا۔

Clubb of Quality Content

***********

حیدرآباد شہر سے دور ویرانے میں ایک ویران فیکٹری کی طرف سفید رنگ کی ہونڈا سیوک تیزی سے بڑھ رہی تھی۔رات کا آخری پہر تھا۔ہر سو اندھیرا تھا آس پاس کی ویرانی کو دیکھتے بار بار وحشت زدہ سے۔کبھی پیسینجر سیٹ پر رکھی سیاہ فائل کو دیکھتے، کبھی بیک ویو مرر میں گزرتے ویران کچے راستے کو اور کبھی سامنے دیکھتے۔ان کی بوڑھی آنکھوں میں خوف اور

بے چینی نمایاں تھی۔ اے سی چلنے کے باوجود چہرے اور پیشانی پر بار بار پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے جنہیں وہ بار بار آستین سے صاف کر رہے تھے۔ مطلوبہ لوکیشن پر پہنچ کر ایرو نے چلنا بند کر دیا تھا وہ ایک جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ اسکرین پر سرخ ڈاٹ دکھائی دے رہا تھا" آپ اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ چکے ہیں "کی بار بار کمپیوٹر آواز سنائی دے رہی تھی۔ انھوں نے آس پاس نظریں دوڑا کے دیکھا دور دور تک کوئی ذی نفس نہیں تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے سامنے باری باری تین بڑی گاڑیوں کی تیزی ہیڈ لائٹس آن ہوئیں تیز پیلی روشنی کی وجہ سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں انھوں نے بے اختیار آنکھوں پر بازو کی اوٹ بنائی۔ انھوں نے نیم وا آنکھوں سے اوٹ کی عور سے دیکھا شاید وہ کوئی جیپ تھیں یا فورچونچر یا کوئی اور گاڑی وہ اندازہ نہیں لگا پائے۔ وہ ضعیف کپکپاتے ہاتھوں سے پیسینجر سیٹ پر رکھی سیاہ لیڈر کی فائل اٹھاتے گاڑی سے باہر نکلے۔

"دیکھو میں سارے کاغذات لے آیا ہوں اب پلیز میرے بیٹے کو چھوڑ دو" انھوں نے باہر نکل کر بلند آواز میں کہتے ہاتھ میں پکڑی فائل فضا میں بلند کی۔ گاڑیوں کے دروازے کھلے اور

ان میں چند اسلحہ لیس سیکیورٹی گارڈ نکلے اور پھر ان کے بیٹے کو پیچھے کالر سے پکڑ کے لاتا ان کا لیڈر باہر نکلا جس نے سیاہ رنگ کے آرمی یونیفارم کے اوپر پی کیپ پہنی ہوئی تھی چہرہ ماسک سے ڈھکا ہوا تھا۔ان کے بیٹے کے ہاتھ کمر کے پیچھے مضبوط رسی سے جکڑے ہوئے تھے اور چہرے پر سیاہ لحاف ڈالا ہوا تھا۔ایک گارڈ ان کے پاس آیا اور فائل تقریبا چھینتے ہوئے لے گیا

"پلیز میرے بیٹے کو چھوڑ دو" انھوں نے ضیف ہاتھوں کو باہم جوڑتے ملتجی لہجے میں فریاد کی ۔وہ سب ان سے دس قدم کی دوری پر تھے۔ان کا دل اپنی بیٹے کیلئے بے چین ہو رہا تھا۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اسے لے کر کہیں گم ہو جائیں۔ان کے لیڈر نے فائل ہاتھ میں پکڑے اس کا بھرپور جائزہ لیا۔

"سارے پیپر ہیں اس میں میرے پاس کچھ نہیں ہے" انھوں نے تسلی دی۔اس نے گارڈ کو اشارہ کیا اس نے جلدی سے بڑھ کر تیز دھار والے چاقو سے رسی کاٹی اور چہرے سے سیاہ

کپڑا اٹھا کر دور پھینکا۔ اس نے سر ہلا کر اپنی بینائی درست کرنے کی کوشش کرتے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے جاؤ" لیڈر کی گھمبیر آواز سنائی دی۔

"حبیب جلدی سے آجاؤ بیٹے" انھوں نے خوشی اور خوف سے بیٹے کو پکارا۔ لیکن اسے اس شخص پر بھروسہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسکی آنکھوں میں ابھرتی شرارت کو دیکھا۔

"حبیب کھڑے کیوں ہو وہاں پر جلدی سے یہاں آؤ" وہ وحشت زدہ سے اسے پکار رہے تھے۔ لیڈر نے ہاتھ کا اشارہ کرتے اسے جانے کو کہا.....

"یا اللہ" اس نے نیل ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے خدا کو پکارا اور زخمی ٹانگوں کے ساتھ لڑکھڑاتے پہلا قدم اٹھایا۔ دل کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ دس قدم دور اس کا باپ کھڑا تھا۔ لیکن اسے مسافت اتنی لمبی معلوم ہو رہی تھی مانو اسے پہنچنے میں صدیاں لگ جائیں گی۔

اس نے دوسرا قدم بھرا۔ لیڈر نے سیکورٹی گارڈز کو گاڑیوں میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اس نے تیسرا قدم بھرا۔ اسکا باپ اسکی طرف تیزی سے بڑھتا ہوا اسے دکھائی دیا۔

اس نے چوتھا قدم بھرا۔ لیڈر گاڑی میں بیٹھنے کیلئے مڑا۔

اس نے پانچواں قدم بھرا۔ اسکا باپ اس سے دو قدم دور تھا۔ سیکورٹی گارڈ لیڈر کیلئے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ پلٹا اس نے کمر کے پیچھے ٹنگی پستول نکالی اور بیک وقت تین فائر حبیب پر داغ دیے۔ وہ اپنی جگہ پر ساکت سا رک گیا۔ اسکی آنکھیں کرب سے پھیلیں۔ گولیاں اسکے کندھے، دل اور پھیپھڑے میں اندر تک گھس چکی تھیں۔

"حبیب" وہ وحشت اور جنونی سے چلاتے ہوئے اس کے پاس آئے حبیب بے سدھ سا ہوتے ان کے گلے لگا آنسوؤں کی لڑی ٹوٹ کر ان کے کندھے میں جذب ہوئی۔ شکن بھری اور چوٹوں کے زخموں کے رسے خون سے بھری سفید شرٹ پانی کی طرح خون میں نہا گئی۔

"اب.....ابا.....زی.....زین اور عم..... عمارہ کو بچا کر دور لے جانا" اس نے بمشکل کہا اور سانس لینے کی کوشش کی مگر سانس نے اندر ہی کہیں دم توڑ دیا وہ بے جان عمارت

کی طرح ان کی گرفت سے چھوٹتا زمین پر جا گرا۔ "حبیب" وہ اپنے خون آلود ہاتھوں کو دیکھتے اذیت سے چلائے۔

خوفناک یاد کا منظر کسی کے نرم لمس سے چھٹا۔ انھوں نے بے اختیار جھر جھری لیتے سامنے موجود نفس کو دیکھا۔ ضعیف آنکھیں مزید ضعیف ہو چکی تھیں ان کے گرد جھریاں دکھائی دینے لگ رہی تھیں۔ آنکھوں میں پانی بھرا ہوا تھا انھوں پلکوں کو جھپکتے منظر صاف کیا۔

وہ ان کا سر چوم کر ان کے قدموں میں جھکا بیٹھا تھا۔ وہ ریکلائنر صوفے پر نیم دراز تھے

"ایم سوری غضنفر دادا آنے میں دیر ہو گئی"

"احنف" ان کی کپکپاہٹ بھری آواز ابھری۔ انھوں نے بڑھ کر اسے اپنے روبرو کھڑا کرتے گلے لگا لیا۔

"بہت انتظار کیا میں نے تمہارا" وہ اسے خود میں بھینچے غمگین لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"ہم نے بھی آپکو بہت مس کیا" وہ ان کے کندھے پر سر رکھے کہہ رہا تھا۔ غضنفر صاحب نے اسے خود سے دور کرتے اسے سر سے پاؤں تک نظر گھما کر دیکھا۔ احنف دھیمی سی

مسکان کے ساتھ انھیں دیکھتے کوٹ کی سامنے والی جیب سے رومال نکال کر ان کی پیشانی پر نمودار ہوئے پسینے کے قطرے صاف کرنے لگا۔

"ماشاءاللہ بہت بڑے ہو گئے ہو" انھوں نے اسکے چوڑے کندھوں سے تھامے تعریف کی۔

"بہت انتظار کیا ہم نے بڑے ہونے کیلئے" احنف نے مسکراتے کہا اور بڑھ کر کمرے کی بتیاں جلا دیں "اتنے اندھیرے میں مت بیٹھا کریں" اس نے گلہ کیا وہ واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔ احنف نے کمرے آتے ساتھ شیشے سے بنی دیوار پر سے بھاری ویلوٹ کے پردے ہٹا دیے تھے۔ انھیں مزید وا کرتے وہ اوتومن اٹھائے ان کے پاس آ بیٹھا۔

" کیسے ہیں آپ" ان کے ضعیف ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے وہ پوچھنے لگا۔ وہ مسکرا دیے اور اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"ابھی تو زندہ ہوں" احنف نے برا مناتے انھیں دیکھا۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے اللہ آپ کو سلامت رکھے" انھوں نے مسکراتے پیار سے اسکا سر سہلایا۔

"تم بتاؤ زندگی کیسی گزری ہاسپیٹل کے بیڈ پہ" ان کی بات پر وہ قدرے اداس ہوا۔

"بہت بری" بے دلی سے بتایا "لیکن شکر ہے اللہ کا اس نے ہمیں دوسرا موقع دیا..... ورنہ ہم میں کہاں اتنی طاقت تھی" غضنفر دادا نے اسکی بات کی تائید میں سر ہلایا پھر موضوع بدلتے پوچھا

"سنا ہے کاروبار کر رہے ہو اور ٹینڈر رہار آئے یو" وہ سر خم کرتا پھیکا سا مسکرا دیا۔

"جی..... شروعات تو رئیل اسٹیٹ سے کی تھی پھر کنسٹرکشن کی طرف بھی دھیان چلا گیا اور اب ٹینڈر میں بھی شامل ہو چکے ہیں" احنف نے تفصیل سے بتایا غضنفر دادا کے چہرے پر خوشی اور فکر کے ملے جلے آثار نمایاں ہوئے۔

"تم جہاں اتر چکے ہو وہ گہری کھائی ہے احنف" انھوں نے گہری سانس لیتے آنے والے وقت سے باور کرایا۔ انھوں نے اس ہار کے بارے میں مزید کچھ نا پوچھا کیونکہ وہ اسکی اس

جنگ سے ناواقف تھے اگر انھیں پتہ ہوتا تو شاید وہ کبھی اسے اس چیز میں نا اترنے دیتے۔

احنف آنے والے وقت کی کٹھنائیوں سے خوب واقف تھا۔وہ دوسری بار بھی بڑ کر چکا تھا اور اسکا فیصلہ بھی آنے ہی والا تھا۔وہ بڑی بازی کیلئے چھوٹی بازی کو دل پہ نہیں لے رہا تھا جب کہ اسے نتیجہ پہلے سے ہی معلوم تھا۔

"جانتے ہیں ہم "اس نے بے اختیار سینے میں دبی بھاری سانس خارج کی "لیکن ہمیں اترنا ہی تھا غضنفر دادا اور نہ وہ میرے اپنوں کو گھسیٹتے ہوئے وہاں لے جا کر مار دیتا "سوچ کی پرچھائی اسکے چہرے پر نمودار تھی۔زین اور خضر اب اسکی ذمہ داری تھے اور دشمن دونوں پر وار کر چکا تھا۔

"ہمم..... محافظ کیلئے راستے آسان نہیں ہوتے..... موت سائے کی طرح ساتھ چلتی ہے "وہ آزردگی سے کہتے اسے دیکھنے لگے حبیب کے بعد ان کا سہارا ہمیشہ سے احنف ہی رہا تھا۔
انھیں کبھی کسی اور کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی وہ ہمیشہ سے ہی زمرداریاں سنبھالنے والا محافظ تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر واپس لوٹے ہیں ہم اب خوف نہیں آتا" احنف پھیکا سا مسکراتے ہوئے کہا" بے فکر رہیں ہم آخری سانس تک زین کی حفاظت کریں گے" ان کے ہاتھ پر مضبوطی کا دباؤ دیتے پوری تسلی سے کہا۔ غضنفر دادا سمجھنے کے انداز سے سر ہلاتے اس کے روبرو ہو بیٹھے" تمہیں اپنی بھی کرنی ہو گی"

" بھروسہ رکھیں ہم پر" احنف نے بھرپور یقین سے کہا۔ انھوں نے اثبات میں سر ہلاتے ساتھ رکھی چھوٹی سے میز پر پڑا گولڈن رنگ کا لفافہ اسکی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے" احنف نے اچھنبے سے پوچھتے ان کے ہاتھ سے لفافہ لیا۔ انھوں اسے کھولنے کا اشارہ کیا۔ احنف نے لفافہ کھول کر دیکھا اندر ایک کارڈ تھا" شادی کا کارڈ" غضنفر صاحب نے دھیرے سے سر اثبات میں ہلایا۔ احنف نے کارڈ کھول کر دیکھا مگر اندر لکھے نام اسکے ذہن میں دور دور تک اجاگر نہیں ہو رہے تھے۔ "کس کی؟"۔ غضنفر صاحب اس کے روبرو سیدھے ہو بیٹھے۔

"ہمارے بہت اچھے جاننے والے ہیں پہلی بیٹی کی شادی ہے اسکی بہت مان سے بلایا ہے اس نے..... میں تو نہیں جا سکتا..... تم زین کو لے کر چلے جانا" احنف نے نفی میں سر ہلاتے کارڈ کو واپس لفافے میں ڈالا۔

"غضنفر دادا ہم نے گیدرنگز میں جانا چھوڑ دیا ہے..... ایم سوری شاید ہم نا جا پائیں" اس نے معذرت کرتے لفافہ واپس موڑا۔ غضنفر صاحب نے ہاتھ کی رکاوٹ بناتے لفافے کو خود سے دور رکھا۔

"ان کے ساتھ ہمارے برسوں کے تعلقات ہیں احنف..... نہیں جائیں گے تو اسے برا لگے گا" پھر وہ اٹھے اور چلتے ہوئے دائیں طرف عقب میں کھڑی الماری کے پاس آئے۔ احنف لاعلمی اور حیرانگی سے انھیں دیکھنے لگا۔ انھوں نے سیف کیبن کھول کر ایک اٹیچی کیس نکالا اس میں سے کچھ اٹھایا اور احنف کی طرف پلٹے۔ ان کے ہاتھ میں میرون اور سیاہ امتزاج کی خاندانی اجرک تھی۔ جو اندرون سندھ خاص طور پر تیار کروائی جاتی وہ حبیب کی اجرک تھی

ان کے بیٹے کی۔ اور آج انھوں نے اس زمہداری اس اجرک کو احنف کے کندھے پر رکھ دیا تھا اسے سونپ دیا تھا

"غضنفر دادا" احنف سانس نہیں لے سکا حیرت سے پھٹی آنکھوں سے انھیں دیکھنے لگا

"میں زین کی کفالت تمہیں سونپتا ہوں" ان کے الفاظ احنف کا دل ڈوبا رہے تھے وہ ابھی اتنی بڑی ذمہ داری لینے کیلئے تیار نہیں تھا

"یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے غضنفر دادا ایسا مت کریں" اس نے بھرائی آواز میں التجا کی۔

"آج سے تم اسکی ماموں کی طرح باپ کی طرح حفاظت کرو گے" انھوں نے اسے کندھوں سے تھامے یقینی طور کہا

"غضنفر دادا" اس کے لہجے میں التجا اور نفی واضح تھی مگر وہ اسے نہیں سن رہے تھے۔

"مجھے تم پر بھروسہ ہے" انھوں نے اسکے شانے مضبوطی سے پکڑے کہتے مانو بات ختم کر دی۔ وہ بے بسی سے سر جھکائے ان کے فیصلے کو مان گیا اس کے پاس منع کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ سو سر تسلیم خم کرتے فیصلہ قبول کیا اور ان سے گلے مل کر اجازت لی اور

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا باہر بڑھنے لگا۔ اس کے پاس کوئی الفاظ نا تھے وہ اپنی بہن کو کیا کہتا باہر جا کر وہ اجرک دیکھ کر اس کا کیا ری ایکشن ہونا تھا اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ وہ جو ملازمہ کو کھانے کی ہدایات دیتی جلدی سے کچن سے باہر نکلی تا کہ بھائی کو کھانا کھانے کیلئے روک سکے اسکی گردن کے گرد کندھوں پر پھیلی حبیب کی اجرک کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئیں۔ جانے کتنے برس بعد اس نے یہ اجرک دیکھی تھی۔ آخری بار شاید شادی پر حبیب کے کندھوں پر دیکھی یا پھر نہیں شاید زین کے عقیقے والے دن؟

"آپا وہ....." وہ منمنایا۔ مگر وہ اسے نہیں سن رہی تھی وہ قدم بھرتے اس کے پاس آ رکی اور سکتے کی سی کیفیت میں اجرک کو دیکھتے دھیرے سے ہاتھ پھیلا کر اسے چھوتے ہوئے اسکی خوشبو اپنے اندر اتارنے لگی،۔ اسکی بہن کے چہرے پر کرب پھیلا ہوا تھا احنف کا حوصلہ ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے چاہا اجرک اتار کر اسے سونپ دے۔

"آپ پر بہت جچ رہی ہے ابی" عمارہ نے دھیرے سے کہا احنف حیرت انگیز طور پر اسے دیکھنے لگا" آپ پر بہت جچ رہی ہے ابی..... اتنی کہ شاید حبیب پر نہیں جچتی"

"ایسا مت کہیں پلیز" وہ شرمندہ ہوا۔ اور سر جھکا گیا۔ عمارہ نے اسکا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑتے اوپر کیا۔

" ہمیں آپ پر بہت فخر ہے کہ آپ ہمارے بھائی ہیں ابی اور اس بات کا بھی کہ بابا نے یہ اجرک آپ کو سونپی" وہ جذباتی لہجے میں مطمئن سی بول رہی تھیں۔ احنف کے کندھوں پر ذمہ داریوں اور امیدوں کا بوجھ بڑھ رہا تھا۔

*********

سہ پہر کا وقت تھا۔ دھوپ اپنی تیزی کھو کر نرم اور سنہری ہو گئی تھی،۔ حجاب پارسل کوریئر کے حوالے کیا تو اس کے چہرے پر اطمینان اور ہلکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ دن کی مصروفیت کے بعد سہ پہر کی یہ روانی اسے خوشگوار لگ رہی تھی

وہ پرسکون انداز میں سیلف ڈیفینس کلب پہنچی۔ کلب کی عمارت کے باہر درختوں کے لمبے سائے ڈھلنے لگے تھے اور اندر ٹریننگ ہال سے موسیقی کا مدھم شور سنائی دے رہا تھا۔

ریسیپشن ڈیسک پر کھڑی ہو کر وہ اپنی مطلوبہ معلومات لے رہی تھی۔ جیسے ہی آگے بڑھنے لگی، اچانک موبائل فون کی گھنٹی نے سہ پہر کی فضا کو کاٹ دیا۔ اس نے چونک کر فون نکالا۔ اسکرین پر جگمگاتا ہوا نام دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی—"عالمگیر...؟"

"ہیلو۔۔!" موبائل کان سے لگاتے اسکے لہجے میں تعجب تھا۔

"امراء کہاں ہو اس وقت؟" اس نے آج کیسی کی جگہ کہاں پوچھا امراء کیلئے یہ بات تشویشناک تھی۔

"کیوں خیریت؟"

"گھر آؤ جلدی" عالمگیر کے لہجے میں دبا دبا غصہ محسوس ہو رہا تھا۔

"بات کیا ہے؟" امراء الجھی۔ وہ زچ ہوتے بالآخر بول پڑا "حنام کو تم یونیورسٹی لے کر گئی تھی؟"

"ہاں" وہ حیرت سے جواب دے رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسکی طبعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ تمہیں پتہ ہے وہ بیہوش ہو گئی تھی وہاں "امراء کے آبرو غصے سے تنے "تم سے کس نے کہا تھا اسے یونیورسٹی لے جانے کا "عالمگیر غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے آواز کو ہموار رکھتے کی کوشش کر رہا تھا مگر امراء کا دن پلے ہی اتنا بڑا بیت چکا تھا کہ اسے بھی فوراً غصہ آگیا۔ وہ ریسپشن ڈیسک سے دور ہوتے گلاس وال کی طرف بڑھی۔

"میں نے تم تینوں کو پالنے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا! بھلائی کر کے میں ہر بار اپنی ہی قبر کھولتی ہوں تم لوگوں کے سامنے!"

امراء کے قدم تیز تھے، آواز دبی ہوئی مگر تلخی اور غصے سے بھری ہوئی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے قطرے تھے اور چہرے پر جھنجھلاہٹ کی لکیریں۔ وہ راہداری میں تیز تیز چل رہی تھی، دل کا بوجھ زبان سے ابل رہا تھا۔

اچانک سامنے سے ایک ہیولہ ابھرا اور لمحے بھر میں تصادم ہو گیا۔ امراء کا موبائل ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گرا، ٹکروں کی آواز ہال میں گونجی۔ کندھے پر زور کی چوٹ لگی اور اس کے سر کا اگلا حصہ سامنے والے کے سینے سے جا ٹکرایا۔ لمحے بھر کے لیے وہ خود کو سنبھال نہ سکی۔

"آہ!" وہ ہلکی سی کراہ نکال کر پیچھے ہٹی۔ پیشانی کے قریب بال بکھر گئے اور سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ وہ گھبراہٹ اور خجالت کے ملے جلے احساس میں جھکی بیچارگی کے ساتھ، نظریں جھکائے اس نے کہا "آئی ایم سوری...!"

اس کے لہجے میں خفت، بے بسی اور کچھ ٹوٹا ہوا سا اعتماد جھلک رہا تھا۔ مگر سامنے والا شخص—جس کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہوا تھا—ذرا بھی نہیں رکا۔ نہ کوئی شکوہ، نہ کوئی سوال۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

امراء لمحہ بھر وہیں کھڑی رہ گئی خجالت کے ملے جلے احساس میں جھکی، زمین پر گرے موبائل کے ٹوٹے حصے سمیٹے۔ اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ ہاتھ میں ٹوٹا ہوا موبائل اور

دل میں انجانی چبھن کے ساتھ۔ اسے حیرت تھی کہ جس سے ٹکرائی وہ بالکل اجنبی خاموشی اختیار کیے آگے بڑھ گیا۔ اسکی نظریں اس شخص کے تعاقب میں اس شیشے کے دروازے کے پار بھٹکیں جہاں وہ غائب ہوا تھا۔ اس نے بلیک کلر کا جم سوٹ پہنا ہوا تھا ساتھ ہی سر پر بلیک پی کیپ جمی ہوئی تھی۔ امراء ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں اسکے پیچھے اس دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ شخص پلٹا بھی نہیں، بس کندھے سے لٹکا ہوا جم کٹ بیگ اتار کر ایک طرف رکھا۔ ایک سلیقے مگر بے نیازی سے اس نے کانوں میں ایئر بڈز لگائے، جیکٹ اتاری اور یوں ہی بیگ کے اوپر پھینک دی۔ پھر آرام سے اولمپکس باربیلز تھامے اور ورزش میں مشغول ہو گیا۔

امراء کی نظریں غیر ارادی طور پر اس پر جم گئیں۔ اس نے بغیر آستین کی سیاہ ٹینک ٹاپ پہن رکھی تھی، جس کے نیچے ابھرتے پٹھے اور سخت خدوخال اس کے غیر معمولی شوق کی گواہی دے رہے تھے۔ مگر جو چیز امراء کے دل کو ایک لمحے کے لیے دہلا گئی وہ اس کے چوڑے کندھوں پر نمایاں زخموں کے نشان تھے ـــــ جو کہ خاصے پرانے معلوم ہو رہے

تھے مگر وہ اتنے پر اسرار تھے کہ امراء اس طرف کھینچتی چلی جا رہی تھی۔ امراء کے ہاتھ میں ابھی بھی ٹوٹا ہوا موبائل تھا اور دل میں عجیب سی گھبراہٹ۔ وہ قدم پیچھے لینا چاہتی تھی مگر جیسے جمی کی جمی رہ گئی۔ اسی لمحے ریسیپشنسٹ تیز قدموں سے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی اور شائستگی مگر سخت لہجے میں بولی۔

"کچھ چاہیے تھا آپ کو، میم؟"

امراء چونکی، جیسے نیند سے بیدار ہوئی ہو۔ شرمندگی اور بوکھلاہٹ کے ملے جلے احساس سے اس نے فوراً ایک قدم پیچھے ہٹالیا۔ نگاہیں زمین پر جھک گئیں، اور ہاتھ میں تھامے موبائل کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے وہ زیرِ لب بس اتنا کہہ سکی

"ن... نہیں، کچھ نہیں۔" وہ شرمندہ حال ہوتی واپس پلٹ گئی۔ یہ وہ کیا کر رہی تھی؟ اس نے گاڑی میں بیٹھے شرمندگی سے سر ہاتھوں میں گرایا۔

"اف۔۔ وہ اتنی لاپرواہ کب سے ہو گئی؟" اسے خود پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ شرمندگی سے کہیں ڈوب مرنے کو دل کر رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹرینر کو آج کی کلاس رد کرنے کا میسج کرتے

گاڑی کو سمندر کے راستے ڈال دیا تھا۔ اسے کچھ وقت اکیلے بتانا تھا گھر میں ویسے ہی تفتیش اور بدمزگی پھیلی ہوئی تھی وہ ان سے الجھ کر مزید اپنا موڈ نہیں بگاڑنا چاہتی تھی اسے ایک اچھی کافی چاہیے تھی سمندر کی تیز ہواؤں کے

**********

اسماعیل صاحب سے ضد کر کے وہ اس وقت ان کے دوست کے گھر بیٹھا تھا—وہی دوست جو اب خفگی اور تشویش کے ملے جلے رنگ کے ساتھ اسماعیل ڈار کو گھور رہا تھا۔ کمرا ہلکی روشنی میں سنّاٹا لیے کھڑا تھا، دیواروں پر گھڑی کی ٹک ٹک محض پس منظر کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔ نجب صاحب نے سخت لہجے میں کہا، آنکھوں میں ٹھنڈک اور لبوں پر کٹے کٹے الفاظ: "میں نے تم سے کہا تھا نا—مجھے ڈیل نہیں کرنی۔" اُن کے اندر کی جھنجھلاہٹ ہر لفظ کے ساتھ باہر آ رہی تھی۔

اسماعیل صاحب نے احنف کی طرف دیکھا" نجب، ایک بار اس کی بات بھی تو سن لو۔"، آواز میں نرم مداخلت کی مگر اُس کے لہجے میں اب بھی اصرار تھا۔

"وہ فراڈ کرنا چاہتا ہے۔" نجب صاحب کے لفظ چبھتے تھے، ان کی انگشتریوں سے چائے کا کپ ہلکا سا ٹکرا کر میز پر گونج اٹھا۔"میں نے اسے تباہ ہوتے دیکھا ہے۔"غصے کے ساتھ چھنکتی ہوئی آواز میں انہوں نے کہا اور پھر جھٹکے کے طور پر اسماعیل ڈار کی طرف اشارہ کر کے کہا،"میں خود کو نہیں کروں گا۔"ان کی آنکھوں میں ماضی کی تلخی کے نقش کھڑے تھے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

احنف نے آخر کار بول دیا، آواز میں وہ ٹھہراؤ تھا جو کسی خطرناک عزم کی نوید دیتا تھا""اس نے بھی تو فراڈ ہی کیا ناں اسماعیل صاحب کے ساتھ تو ہم کر لیں گے تو کیا بڑی بات ہو جائے گی"اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مگر پر اعتماد مسکان تھی، اور اس کے لہجے میں اس بات کی جمہوری جرات تھی کہ خطرہ ہو مگر اس کا سامنا کیا جانا چاہیے۔

نجب صاحب نے ہاتھ اٹھایا، اسے اپنی ناک کے پاس لے کر سوچ کی گرفت میں بند کر لیا، پھر اسماعیل ڈار کی طرف اشارہ کیا اور اونچی آواز میں کہا "میں اسے تباہ ہوتے دیکھ چکا ہوں ں۔۔۔یں خود کو نہیں کروں گا" قطعی طور پر جتایا۔

اس کے یہ الفاظ ایسے لگے جیسے کسی پرانے زخم کی دہائی ہو جو ابھی تک تازہ ہے؛ اس کی آواز میں نہ صرف خوف تھا بلکہ ایک ذاتی شمولیت بھی تھی—وہ اپنا ہاتھ دوبارہ اسی درد سے جڑنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ احنف نے ان الفاظ کو غور سے سنا، اس کے چہرے پر کوئی دکھ تھا مگر اس کی نظریں پختہ تھیں۔ وہ کچھ لمحے خاموش رہا، پھر آہستگی سے مگر پوری ثابت قدمی کے ساتھ بولا "میں آپ سے پوری کمپنی خرید رہا ہوں نجب صاحب۔ آپ کو کیوں لگ رہا ہے یہ فراڈ۔ بس میں نام نہیں تبدیل کرنا چاہتا۔۔ ٹینڈر جیتتے ہی مجھے پورا یقین ہے وہ یہاں آئے گا" احنف کی یہ باتیں عام سی رہنما جملوں کی طرح نہیں تھیں؛ ان میں حساب، خطرے کا اندازہ اور ایک سریلا ایمان تھا کہ منصوبہ کامیاب ہو گا۔

"اور اگر ٹینڈر نا جیتا تو؟ کیا گارنٹی ہے تم ہی جیتو گے" نجب صاحب نے کان کے پیچھے انگلی چلائی اور طنزیہ انداز میں پوچھا۔

اس سوال میں شک کی وہ نہ ختم ہونے والی لہر تھی، ایک ایسا سوال جو ہر سرمایہ کار کے دل میں بجتا ہے۔

احنف تھوڑا سا مسکرایا، کرسی پر ریلیکس ہو کر بیٹھا، وہی پر سکون انداز جو شاید ایکسیڈنٹ کے بعد سے اس میں صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"گارنٹی کوئی نہیں ہے نجب صاحب" وہ ریلیکس ہو کر کرسی کی بیک سے کمر ٹکائے بولا" بس یوں سمجھیے خود پہ بازی لگا رہے ہیں ہم اس بار یا آر یا پار" اس کے چہرے پر مکمل خود اعتمادی کی لکیریں نمایاں تھیں؛ اس نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں الجھا رکھی تھیں، جیسے ہر ریشہ کسی فیصلے کا ثبوت ہو۔

"یہ بازی نہیں، سٹّہ ہے۔ سٹہ اور میں سٹے پر داؤ نہیں لگاتا" نجب صاحب نے کرسی کے بازو پر ہاتھ جما کر پیچھے ہٹتے ہوئے جھنجھلاہٹ سے کہا، ان کی بات میں نفی اور خوف کی لہر ایک ساتھ تھی۔

"جیسا آپ کو بہتر سمجھ آئے" احنف نے لاپرواہ لہجے میں کہا "مگر یہ یاد رکھیے گا—سانپ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہم نے آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تاکہ اسے مار سکیں۔ کل اگر وہ آپ کو ڈسے یا نگل جائے تو پچھتائیے گا نہیں کیونکہ تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔" اس کے ہاتھ کی انگلیاں میز کے کنارے سے دھیرے سے فوکس کر رہی تھیں، جیسے کسی شکار کا حساب کر رہی ہوں۔

کھڑکی کے باہر ہوا کے جھونکے سے درختوں کی شاخیں ہلیں، اور کمرے کی خاموشی میں تینوں کی ساکت سانسیں سنائی دیتی رہیں—ایک طرف ارادہ و عزم، دوسری طرف شک و احتیاط، اور درمیان میں وہ خطرہ جسے کوئی ایک فیصلہ ختم یا بڑھا دے گا۔

**********

دن کے ٹھیک گیارہ بجے تھے۔ ڈائمنڈ پیلس کی سنہری روشنیوں سے بھری راہداریوں میں ایک پرسکون سی چہل پہل جاری تھی۔ سیلون ٹیم پیلس کے اندرونی حصے میں مصروف نظر آ رہی تھی—یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کیونکہ عالمگیر اور مریم اپنی گرومنگ اکثر یہیں گھر پر ہی کروایا کرتے تھے۔ باہر لان کے بڑے درختوں سے آتی ہوا میں ہلکی سی نمی اور تازگی گھلی ہوئی تھی۔

پیلس کے کچن میں برتنوں کی کھٹ پٹ اور ہنسی مذاق کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے ماحول میں ایک خاص سا رنگ تھا، اور سب جانتے تھے کہ آج امراء نے خود کھانا بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ خادمائیں آہستہ آہستہ ادھر اُدھر دوڑ رہی تھیں، مگر محل کی فضا میں ایک عجیب سا سکون بھی موجود تھا۔ وہ موبائل کو سلیب پر رکھ کر اچھا سا میوزک آن کرکے انجوائے کرتے کھانا بنا رہی تھی جب مریم نے عقب سے آکر میوزک بند کرتے اس کا تسلسل توڑا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پتیلے میں چمچ چلاتے چہرہ موڑ کر حیرت اسے دیکھا۔ وہ اس وقت سلیوٹ لیس سلک کی سیاہ رنگ کی باڈی کان ڈریس میں ملبوس تھی جس کی لمبی ٹیل فرش پر بچھی ہوئی تھی۔ ڈیپ گلے پر سفید نگینوں اور جالی سے منفرد کام ہوا ہوا تھا۔ کندھے کے گرد گھومتی نازک سی اسٹریپس بمشکل ڈریس کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ "استغفراللہ" امراء نے بے اختیار دل میں پڑھا۔

بال فلی اسٹریٹ کر کے آدھے دائیں کندھے پر اور آدھے پیچھے کمر پر ڈالے ہوئے تھے۔ اسکے چہرے کے مصنوعی نقوش کو نمایاں کرتا ہیوی میک اپ اور کانوں میں چمچماتے بڑے بڑے ہیرے کے ٹاپس اور کلائیوں میں پہنی نازک ہیرے جڑیں بریسلیٹس اسکی شخصیت میں مزید چار چاند لگا رہے تھے۔ اور اسکے عطر کی نتھنوں میں داخل ہوتی تیز مہک امراء کے سر میں درد کر رہی تھی۔

"عالم نے کہا ہے تیار ہو جاؤ ہم سب گالف کلب جا رہے ہیں" اس دن کہ بعد سے وہ میر سے ناراض تھی اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی اس لیے پیغام دینے کے لیے میما آئی تھی، پیغام دیتے وہ ایڑیوں کے بل گھومی۔

"اور میرا کھانا؟" امراء نے صدمے سے چولہے پر چڑھے اپنے پتیلوں کو دیکھا۔ مریم مسکرا کر واپس گھومی۔

" گھر میں اور لوگ موجود ہیں وہ کھالیں گے" اس نے بظاہر مسکرا کر جواب دیا مگر اندر سے زچ ہو جاتی تھی اس کے سوالوں پر "ماریہ" وہیں کھڑے ریسٹ روم میں آرام سے راکنگ چئیر پر نیم دراز ہو کر موبائل دیکھتی ماریہ کو آواز دی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ اپنے لباس کی شکنیں درست کیں اور بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔

"یس مادام" اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ امراء منہ پھلائے بڑبڑ کرتی بند کر کے اپرن اتار کر سلیب پر پھینک رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

" کھانے کو دیکھو۔ میں، امراء اور عالمگیر گالف کلب جانا رہے ہیں" اسکے بتانے پر امراء کا شاک سے منہ کھلا۔

"اور حنام ؟"اس نے فوراً پوچھا۔ مریم نے بد مزگی سے اسے دیکھتے یکسر نظر انداز کرتے اپنی بات جاری رکھی۔

" پھپھو اولڈ ہوم سے واپس آئیں تو انھیں کھانا بھی کھلا دینا اور بتا بھی دینا" پھر امراء کی طرف گھومی۔

"حنام کا اپنی دوستوں کے ساتھ پہلے ہی پلین بنا ہوا تھا۔ عالم نے مجھے بھی ابھی بتایا"

" تو پھر تم دونوں ہی جاؤ میرا جانا بھی کوئی ضروری تو نہیں" مریم نے ضبط سے اسے دیکھا۔

"عالم نے مجھے تمہیں کہنے کو کہا ہے تو میں نے کہہ دیا باقی کے سوالات اسی سے جا کر کرو"

وہ زچ ہو کر جواب دیتی دائیں بائیں افسوس سے سر ہلاتے کچن سے باہر نکل گئی۔ امراء نے ایک ناپسندیدہ نظر اس کی ہائی لائٹر سے تمتماتی کمر پر ڈالی اور پھر خاموش مسکان دبائے کھڑی ماریہ کو دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"زیادہ دانت پھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے.....جان لے لوں گی میں تمہاری" امراء نے غصے سے ایپرن اسکی طرف پھینکا تو وہ ضبط کے باوجود ہنس دی "بد تمیز، بے شرم" امراء بھی برا منہ بناتے جلتی کلستی کچن سے باہر نکلی۔

" کھانے کا بتاتی تو جائیں کیا ڈالنا ہے باقی ہے" ماریہ نے پیچھے سے آواز دی۔

"زہر" امراء نے کچن کے سلائیڈ دروازے کی دیوار تھامے پلٹ کر جل کر کہا۔ اور دھم دھم کرتے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ الماری کھولے ابھی مختلف ڈریس نکال نکال کر دیکھ رہی تھی کہ پیچھے سے صوفیہ دروازہ ناک کرتے کمرے میں داخل ہوئی۔ امراء نے بنا پلٹے چہرہ موڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ جو کلائی پر ایک ڈریس لٹکائے کھڑی تھی۔

"عالمگیر سر کہہ رہیں کہ یہ ڈریس پہنیے گا" صوفیہ نے بتاتے ڈریس کو بیڈ پر پھیلایا۔ وہ ایک وینٹیج پرنسس اسٹائل میرون رنگ کی ڈریس تھی جس کے کندھے کشادہ سے کالر کی شیپ لیے ہوئے تھے۔ امراء نے اکتائی نظر اس پر ڈالتے ایک جھٹکے سے الماری کا سلائیڈر بند کیا۔ بازو کے نام پر چار انچ چوڑی پٹی تھی اور ساتھ میں میچنگ کے جالی دار نصف دستانے

بھی دیے ہوئے تھے۔ صوفیہ پھیلا کر اسکی طرف پلٹی "اور انھوں نے کہا ہے عبایہ مت پہنیے گا اوپر سے "اگلی بات پر اسے تپ چڑھ گئی وہ بنا صوفیہ خو جواب دیے بجلی کی سی تیزی سے عالمگیر کے کمرے کی طرف بڑھی۔ناک کرتے ناب گھما کر دھڑلے سے اندر داخل ہوئی۔اس کے اسٹائلسٹ کا کنگھی پھیرتا ہاتھ ہوا میں منجمد ہوا۔اس نے گردن گھما کر اس ناگہانی آفت کو دیکھا۔ساتھ صوفے پر بیٹھی موبائل چلاتی مریم نے ناپسندیدگی سے اسکی آمد کو دیکھا۔اور عالمگیر نے بھی آئینے کے عکس میں غصے بھرا چہرہ لیے کھڑی امراء کو دیکھا اور اسٹائلسٹ کو دور جانے کا اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ تم" آئینے میں خود پر مطمئن نگاہ ڈال کر عالمگیر نے اسے رخصت دی وہ لمحوں میں اپنا سامان پیک کرتا وہاں سے غائب ہوا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے،ایک تو بنا کسی خبر کے اتنا اچانک پلین بنالیا اوپر سے اتنی واہیات ڈریس بھیجی مجھے اور میں عبایہ نہیں پہن سکتی؟..... کیوں؟کس لیے؟"وہ وہیں کھڑے

غصے سے آگ بگولہ ہوئی۔عالمگیر گہری سانس لیتا پولو شرٹ کے کالر سے نادیدہ دھول جھاڑتے کھڑا ہوا اور مطمئن سا قدم بھرتا اس کے پاس چلا آیا۔

"عبایہ پہننے کا فیصلہ تمہارا تھا مگر میں نے تمہیں باور کروایا تھا کہ جب جب ضرورت پڑی ہماری گیدرنگ کیلئے تمہیں اسے پس پشت ڈالنا ہو گا" امراء کے غصے سے گال گلابی ہو رہے تھے۔

"تم نے گھر کی گیدرنگ کا کہا تھا" وہ دبی دبی آواز میں چیخی۔عالمگیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں جو کہتا ہوں وہ ہر لحاظ سے کہتا ہوں اور رہی بات ڈریس کی تو تم عالیہ (ڈیزائنر) کو کال کر کے اپنی پسند کی منگوا لو" عالمگیر کا لہجہ نہایت اطمینان بھرا تھا۔امراء کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ رہا تھا۔

"میرا جانا کیوں ضروری ہے" اس نے راہ فرار تلاش کرنا چاہی۔

"وہاں ریلوے کا وزیر نعیم واصف آرہا ہے اپنی فیملی کے ساتھ میں اکیلا وہاں جاتا اچھا لگوں گا ؟" عالمگیر نے مسکرا کر پوچھا۔ امراء کو اسکی مسکراہٹ تسلی کی طرح لگتی تھی مگر اس وقت وہ بھی زہر لگ رہی تھی۔

"ہاں تو بیوی جا رہی ہے ناں تمہاری" امراء نے کہتے عقب میں بیٹھی مریم کی طرف اشارہ کیا جو بظاہر اپنے موبائل میں مگن تھی مگر سارا دھیان ان دونوں کی طرف تھا۔ عالمگیر کا صبر جواب دے رہا تھا، وہ سرد لہجے میں بولا "امو بحث مت کرو۔ تم چل رہی ہو۔ میں نہیں چاہتا وہاں کوئی بد مزگی یا کوئی غفلت ہو" کہتے اس نے کن اکھیوں سے بیوی کو دیکھا "یہ ملاقات بہت اہم ہے میرے لیے اور میں کوئی چانس نہیں لینا چاہتا۔ جاؤ تم تیار ہو جاؤ میں دوسرا ڈریس منگوا لیتا ہوں" اس نے قطعی طور کہتے مانو حکم دیا۔ امراء نے غصے سے مٹھیاں بھینچی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے" جل کر کہتے وہ واپس پلٹ گئی عالمگیر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا مریم کے پاس جا بیٹھا۔ اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر لبوں سے لگا دیا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو"

مریم کی آنکھوں میں ایک لمحے کو نرمی آئی مگر پھر خفگی غالب آ گئی۔ اس نے ہاتھ جھٹک کر واپس کھینچا اور موبائل فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تمہاری آنکھیں تمہاری باتوں کا ساتھ نہیں دیتیں عالمگیر برفات" اس نے سرد لہجے میں کہا اور چہرہ دوسری طرف موڑ کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھالی۔

"اچھا" عالمگیر خمارگی بھرے لہجے میں کہتے اس کے قریب ہوا" آج کل میری آنکھیں بھی پڑھنے لگ گئی ہو" سرگوشی سے کہتے اسکے کندھے کو لبوں سے چھوا۔ مریم نے آنکھیں جھپک کر کھولتے اس کے پیار کے جال سے خود کو نکالا۔ اور لب بھینچے چہرہ اسکی طرف موڑا۔

"محرم اگر بے وفا ہونے لگے تو سب پہلے وہ اپنی نظروں کے زاویے بدلتا ہے"

"میں اگر بے وفائی کروں تو کافر نہ ہو جاؤں" پیار سے کہتے وہ اسکی طرف جھکا مگر مریم نے اسکے سینے پر ہاتھ رکھتے اسے حد درجہ دور رکھا۔

"کافروں کو تو پھر بھی معافی مل جاتی ہے۔پیار میں بے وفائی کی معافی نہیں ملتی" مریم نے پتھرائی نظروں سے اسے دیکھتے باور کروایا۔عالمگیر مسکراتے ہوئے اسی طرح پیار سے اسے دیکھتا رہا۔

"پچیس سال سے زائد ہو گئے ہماری شادی کو تمہیں لگتا ہے میں ایسا کروں گا" اس کے چہرے کے گرد گھومتی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے وہ پوچھ رہا تھا۔

"پہلے نہیں لگتا تھا" مریم نے آنکھوں میں شکوے اترے "اب لگتا ہے" ذہن میں امراء کا عکس نمایاں ہوا تو حلق تک کڑواہٹ گھلی۔

"ایسے وہم اور ڈر پالنا چھوڑ دیں زوجہ محترمہ ایسا کبھی نہیں ہو گا" عالمگیر نے مطمئن انداز میں کہتے اسے تسلی دیتے مریم کا ماتھا چوما "ورنہ میں یقین دلانے پر آیا تو شکایت آپ کو ہی ہو گی" سرگوشی سے کہتے ہوئے اس کے لہجے میں شرارت گھلی۔مریم نے شرم پزل ہوتے اسے دور دھکیلا۔

"بد تمیز "فوراً کھڑے ہوتے اس سے دور ہوئی اور گھوم کر بائیں طرف نصب الماری کی طرف آئی۔عالمگیر صوفے کی پشت پر بانہیں پھیلا کر نیم دراز ہوتے فرصت سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھ کر جھنپی سی مسکراہٹ سجائے جیولری کے مختلف باکسز کھول کھول کر دیکھنے لگی۔

"بات سنو تم نے ویٹ لوز کیا ہے ؟"عالمگیر کے لہجے میں ہنوز شرارت تھی وہ اس کے سراپے پر نظریں مرکوز کیے پوچھ رہا تھا۔مریم کو مطلوبہ چیز مل گئی تھی اس نے پلٹ کر مسکان دباتے نظروں میں خفگی بھری۔

"عالم تم باز نہیں آ گے بد تمیزی سے ؟"اس کے خفگی سے پوچھنے پر عالمگیر نے ڈھٹائی سے مسکراتے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے جب جوس کا جگ انڈیلا ناں تمہارے اس وائٹ ڈریس کو ڈ پر تب عقل ٹھکانے آئے گی تمہاری" مریم نے اسکی سفید پولو شرٹ اور سفید جینز کی طرف دیکھ کر دھمکاتے

سامنے سنگ مرمر کی اوول شیپ ٹیبل پر رکھے سرخ انگوروں کے جوس کی طرف اشارہ کیا تو عالمگیر چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری کرتے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"ویسے میں سوچ ہی رہا تھا چینج کرنے کیلئے" شرارت سے کہتے اس نے شرٹ کا بٹن کھولا"

توبہ ہے" مریم اسکی حرکت پر زچ سی شرم سے گلابی ہوتا چہرہ لیے مڑی اور اپنی جان بچانے باہر چلی آئی۔ ماریہ کچن میں مصروف تھی۔ وہ ہاتھوں میں نیوی رنگ کا باکس لیے امراء کے کمرے میں چلی آئی۔ امراء ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے ساتھ کے اسٹول پر بیٹھی میک اپ کر رہی تھی اور صوفیہ اسٹائلسٹ اسٹریٹنر سے اس کے بال اسٹریٹ کر رہی تھی۔ امراء نے ایک خاموش نظر آئینے میں اس کے عکس پر ڈالی اور واپس اپنے میک اپ میں مصروف ہو گئی۔

مریم جانچتی نظروں سے اس کے لباس اور ساتھ رکھی میچنگ کورٹ شوز کو دیکھتے اس کے پاس چلی آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس دائیں طرف رک کر گھوم کر اسے دیکھا جو مریم کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھی۔

"جیولری کون سی پہن رہی ہو؟" باکس بغل میں دبائے پوچھ رہی تھی امراء نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی وہ باکس پہلے ہی دیکھ چکی تھی وہ کچھ بھی جواب دیتی اس نے منع ہی کرنا تھا۔

"کیا پہننا چاہیے مجھے؟" امراء نے الٹا اسی سے سوال کیا تو مریم نے بغل سے باکس نکال کر کھولتے اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔ اس میں سفید پرل کے ٹاپس اور ساتھ ہی میچنگ نازک سا پرل کے موتیوں کا نیکلس تھا۔

"یہ اولڈ فیشن ہے میں ڈائمنڈ پہنوں گی" امراء نے آئی شیڈو برش سے اسے رد کرتے دور سر کایا۔

"یہ اولڈ فیشن نہیں اولڈ منی جیولری ہے" مریم نے غصہ پیتے سنجیدہ لہجے میں کہا "تم علاء الدین برفات کے نام سے جانی جاتی ہو تو تمہیں پرلز ہی پہننے ہیں ایٹ لیسٹ گیدرنگز میں تو لازمی۔ باقی دنوں میں جو چاہے پہنو۔ عالمگیر نیو منی ہے تو ڈائمنڈ صرف میں اور حنام پہن سکتے ہیں" جتاتے لہجے میں کہتی وہ نخوت سے اسٹائلسٹ کو دیکھتی واپس مڑ گئی۔ اسٹائلسٹ

اس کے انداز پر نادم سی سر جھکائے اپنے کام میں مگن ہوئی۔امراء کے حلق میں پھانس سی اڑی۔اس نے بے دلی سے برش کو دور پھینکا۔

"جاؤیہاں سے میں خود کر لوں گی"اس نے اسٹائلسٹ کو حکم دیا جو فوراًاس کے بال چھوڑتے دور ہوئی اور سر خم کر اجازت لیتی کمرے سے باہر چلی گئی۔امراء نے غصے اور درد سے پھٹتے سر کو ٹیبل پر گرادیا اور مٹھیوں میں سر کے بال نوچے اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قابو کرنے لگی۔

ہر گزرتا دن اسے برفات فیملی سے نفرت کرنے پر مجبور کر رہا تھا وہ دھیرے دھیرے ان سے کٹتی جارہی تھی اور اس کا اسے بالکل بھی پچھتاوا نہیں تھا۔

عالمگیر اور مریم ہال میں کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد وہ تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلی۔اسکی پنسل ہیل کی ٹک ٹک کی آواز دور سے ہی سنائی دینے لگی۔

کندھوں پر فراک کا ہم رنگ لانگ کوٹ ڈالے،کانوں میں پرل اسٹڈ،ہاتھ میں جالی دار دستانے مینمل سا میک اپ اور بالوں کو ونٹیج اسٹائل میں ہلکے ویوی کر کے کمر پر ڈالے ہاتھ

میں قیمتی بیگ لیے ان کی طرف اعتماد قدموں سے چلتی ہوئی آ رہی تھی وہ یقیناً بے حد پر کشش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ عالمگیر نے موبائل سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ مریم بے اختیار ان دونوں کے درمیان حائل ہوئی۔

"ہم کب سے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں" مریم نے غصے سے گلہ کیا۔ وہ ایک ترچھی نظر اسے دیکھتے آگے بڑھی۔

"میں اپنی گاڑی میں جاؤں گی" بآواز کہتے وہ ان سے کترا کر آگے نکل گئی۔ عالمگیر سر جھٹکتے مسکرا دیا۔ ماریہ کو وہ پہلے ہی مطلع کر چکی تھی۔ ڈرائیور اسکی میرون رنگ کی کسٹم پورش کار گیراج سے باہر نکالے دروازہ کھولے اسکا انتظار کر رہا تھا۔ وہ آنکھوں پر سیاہ سن گلاسز لگائے سج سج کر چلتی ہوئی کار کی طرف بڑھی "میں خود ڈرائیو کروں گی" ڈرائیور کو کار سے دور جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ادب سے پیچھے ہٹ گیا۔ امراء نے پیار سے اپنی جان اپنی من پسند کار کو چھوا۔ کار میں بیٹھتے اس نے بیگ اور سن گلاسز اتار کر پیسنجر سیٹ پر رکھے۔ سائیڈ مرر سے عقب میں دیکھا۔ عالمگیر اور مریم سیڑھیاں اتر رہے تھے اس کے چہرے پر فاتحانہ

مسکراہٹ ابھری۔ عالمگیر ڈرائیور کو دور کھڑے دیکھ پریشانی سے آگے بڑھا۔ انجن اسٹارٹ تھا امراء نے ریس پر پاؤں رکھا اور زناٹے سے اپنی کار بھگا لے گئی۔ عالمگیر غصے سے تلملاتا ڈرائیور کے پاس آیا۔

"تم گاڑی سے باہر کیوں نکلے" اس نے غصے سے اس پیچھے کو دھکا دیا۔ مریم ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی قریب آئی۔

"عالم ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ بچی نہیں ہے وہ" مریم ٹھہر کر جلے کٹے انداز میں کہتی اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔

"دوبارہ دکھنے نہیں چاہیے تم یہاں مجھے" غصے سے اسے فائر کرتا وہ بھی کار میں آ بیٹھا۔

"جلدی چلاؤ گاڑی۔ امراء سے پہلے پہنچنا ہے" عالمگیر نے پھاڑ کھانے والے انداز میں ڈرائیور کو حکم دیا۔ مریم نے بدمزگی سے شوہر کو دیکھا۔ "رینج روور سے یہ پورش سے آگے نکلیں گے وہ بھی اس سر پھری لڑکی کے سامنے" مریم نے جل کر دل ہی دل میں خود کلامی کی اور اپنے وینٹیج کلچ سے کامپیکٹ پاؤڈر نکال کر اس کے اندر لگے چھوٹے سے آئینے میں خود کو دیکھتے چچ

اپ کرنے لگی۔ عالمگیر آرم ریسٹ بیچ میں حائل کیے بے چینی سے اس پر انگلیاں بجا رہا تھا۔ بار بار موبائل فون پر کال لاگ کھولتے امراء کو بھی کال کر رہا تھا مگر وہ کال نہیں اٹھا رہی تھی۔ پندرہ منٹ کا راستہ اس نے جس بے چینی اور فکر مندی سے طے کیا یہ بس وہی جانتا تھا۔ گالف کلب سے تھوڑے فاصلے پر امراء اپنی کار روکے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے کی سلامتی دیکھ عالمگیر نے سکھ کا سانس لیا۔ عالمگیر کی گاڑی اس کے کترا کر آگے بڑھی۔ امراء نے بھی اپنی گاڑی ان کی رہنمائی میں بڑھائی۔ گیٹ سے چیک پوسٹ سے کلین چٹ لیتے وہ پارکنگ لاٹ پہنچے۔ امراء آنکھوں پر سن گلاسز لگا کر بیگ اٹھاتے کار سے باہر نکلی جب عالمگیر تیز قدموں سے اسکی طرف آتے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف گھمایا" آئندہ ایسا مت کرنا" لہجے میں دھمکی اور سرخ آنکھوں میں غصہ صاف واضح تھا۔

" تمہیں بھی میرا یہی مشورہ ہے "امراء نے اسکی مضبوط گرفت سے آرام سے اپنا بازو چھڑاتے کہا اور گالف کلب کی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔

"اسکے تلوے چاٹ لیے ہوں تو چلیں اندر" مریم نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

"میرے پاس تمہارے دماغی مسئلے کا کوئی حل نہیں" عالمگیر نے ضبط سے کہا اور دل ناچار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا عمارت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔ وہ مریم اور امراء کو ساتھ لیے کراچی گالف کلب کی شاندار عمارت میں داخل ہوا۔ داخلی دروازے کے دونوں جانب سنگ مرمر کی سیڑھیاں اور اونچے ستون ایلیٹ کلاس کے ذوق اور اختیار کی جھلک دکھا رہے تھے۔ شیشے کے جھلملاتے دروازوں کے پار داخل ہوتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے سب کو اپنے حصار میں لے لیا۔ ہال کے بیچ و بیچ نعیم واصف کی بیوی نہایت نفاست سے ساڑھی میں ملبوس کھڑی تھیں۔ ان کے گرد چند خواتین حلقہ بنائے نرم لہجے میں باتوں اور ہلکی ہنسی میں مصروف تھیں۔ ہال کی اونچی چھتوں سے جھولتے فانوس کی سنہری روشنی ان کے جواہرات پر جھلملا رہی تھی۔

عالمگیر نے خاموشی سے قریب آ کر نرم مگر شیریں لہجے میں کہا "السلام علیکم، خاتونِ اوّل!" وہ چونک کر پلٹیں، پھر فوراً ان کے چہرے پر شناسائی اور خوشی کی جھلک ابھری۔

"ارے، عالمگیر صاحب! کیسے ہیں آپ؟"

عالمگیر نے ہلکی سی خمیدگی کے ساتھ مصافحہ کیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں... آپ کیسی ہیں؟ اور نعیم صاحب؟" اس کی نظریں بے چینی سے پورے ہال میں بھٹکنے لگیں "وہ نہیں آئے؟"۔ دل میں ایک انجانی گھبراہٹ جاگی— کیا واقعی وہ نہیں آئے؟ کیا آج کی ملاقات رائیگاں گئی؟ پسینے کی ہلکی بوندماتھے پر ابھری مگر اس نے مسکراہٹ برقرار رکھی۔

"آئے ہیں... باہر گالف گراؤنڈ میں، تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" نعیم واصف کی بیوی نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

یہ سنتے ہی عالمگیر کے دل کی دھڑکن جیسے یکدم سنبھل گئی۔ لمحہ بھر پہلے جو گھبراہٹ اس کی آنکھوں میں تھی وہ اطمینان میں بدل گئی۔ اس نے گہری سانس لی اور ہونٹوں پر وہ مخصوص اعتماد بھری مسکراہٹ واپس آ گئی۔

"اچھا... تو میں پھر اجازت لوں آپ لوگ باتیں کریں؟" اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔ امراء اور مریم کے سپرد انھیں کرتے اس نے باہر کو راہ لی۔ نعیم واصف کی بیوی نے مسکرا

کر سر ہلایا، اور ان کی نظروں میں چھپا شناسائی بھرا فخر کسی گہرے راز کی گواہی دے رہا تھا۔ عالمگیر پلٹا اور لمبے ڈگ بھرتا شیشے کی وسیع کھڑکیوں کی طرف بڑھا۔ باہر سبزہ زار میں سورج کی کرنیں گھاس پر سنہری چمک بکھیر رہی تھیں۔ دور ایک مقام پر نعیم واصف کا سراپا دکھائی دے رہا تھا—قد آور، پُراعتماد، اور اس کا منتظر۔

عالمگیر نے کھڑکی کے پار ایک لمحے کو ٹک کر دیکھا... جیسے اپنے اگلے قدم کا وزن تول رہا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا باہر نکل گیا۔ سامنے ایک دلکش منظر تھا—دور دور تک پھیلا ہرا بھرا سبزہ، جیسے کسی نے شہر کے شور میں سکون کا جزیرہ تراش دیا ہو۔ قطار در قطار ایستادہ درخت، نیلے آسمان سے اترتی دھوپ کی کرنیں گھاس پر سنہری چمک ڈال رہی تھیں۔ پرندوں کی آواز اور ہلکی ہوا کے ساتھ سبز میدان کی خاموشی ایک عجیب پُرکشش رعنائی پیدا کر رہی تھی۔

گراؤنڈ کے ایک گوشے میں سفید لباس پہنے ایک شفیق مگر پُروقار شخصیت دکھائی دی—وہ نعیم واصف تھے، جن کے ہاتھ میں گالف کلب کا اسٹک چمک رہا تھا۔ ان کی باوقار چال اور

کھڑے ہونے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی معمولی ملاقات کے منتظر نہیں، بلکہ ایک اہم لمحے کا انتظار کر رہے ہیں۔

عالمگیر نے پلٹ کر پیچھے مریم اور امراء کو دیکھا۔ امراء کے چہرے پر ابھی بھی ہلکی خفگی کے اثرات تھے جبکہ مریم خاموشی سے ماحول کو اپنے اندر سمو رہی تھی۔ دونوں کو وہاں چھوڑ کر وہ پرسکون اعتماد کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قدموں کی چاپ نرم قالین سے نکل کر گراؤنڈ کی کھلی فضا میں گونجنے لگی۔ سامنے سمندر کا دلکش اور پرکشش منظر تھا—نیلی لہریں دور سے چمکتی ہوئیں گالف کلب کے سبزے کے ساتھ ایک حسین امتزاج بنا رہی تھیں۔ یہی کراچی گالف کلب تھا، اس شہر کی جان، جہاں طاقتور اور بااثر لوگ اپنی محفلیں اور معاہدے سجایا کرتے تھے۔ یہ صرف کھیل کا مقام نہیں بلکہ ایلیٹ کلاس کی سرگرمیوں کا محبوب ترین اڈہ تھا۔

عالمگیر گراؤنڈ کی طرف بڑھا تو ہوا میں ایک نفیس سا سکوت تھا۔ دور کھڑے نعیم واصف نے اسٹک سے آخری شاٹ لگایا اور گیند ہرے میدان پر چمکتی ہوئی ڈھلوان کی طرف

لڑھک گئی۔ ان کے ساتھ کھڑا گیڈی (گالف میں گیڈی =Caddy ایک مددگار یا اسسٹنٹ ہوتا ہے، جو کھلاڑی کے لیے سامان اٹھانے اور معاونت کرنے کا کام کرتا ہے) فوراً لپک کر گیند اٹھانے دوڑا۔

عالمگیر قریب پہنچا تو نعیم واصف نے اسٹک اپنے کندھے پر رکھا، ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔

"عالمگیر برفات...!" ان کے لہجے میں رسمی خوشی کے ساتھ ساتھ ایک انجانی سنجیدگی بھی تھی۔

"خاصا انتظار کروایا تم نے" انھوں نے گھڑی پر ٹائم دیکھتے خفگی سے جتایا عالمگیر نے ان سے مصافحہ کرتے مضبوطی سے ہاتھ دبایا، آنکھوں میں اطمینان اور لبوں پر وہ مخصوص مسکراہٹ تھی جو اکثر معاملات کو نرم کر دیتی تھی۔

".بہت بہت معزرت نعیم صاحب۔۔۔ انتظار کا شکریہ، مگر آپ جانتے ہیں آپ سے ملاقات کے بغیر یہ دن ادھورا رہتا۔"

نعیم واصف نے ہلکی ہنسی کے ساتھ قدم بڑھائے۔ دونوں برابر چلنے لگے۔ ہریالی کے بیچ بنا وہ طویل واکنگ ٹریک سمندر کے کنارے تک جاتا تھا۔ دور لہریں ساحل سے ٹکرا کر شور پیدا کر رہی تھیں مگر اس شور میں بھی دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا وزن زیادہ نمایاں تھا۔

"تو کیسا جا رہا ہے تمہارا پروجیکٹ؟" نعیم واصف نے نظریں سامنے رکھتے ہوئے سوال کیا۔

عالمگیر نے ایک لمحہ خاموشی کے بعد جواب دیا" پروجیکٹ تو چل رہا ہے، مگر آپ کی سرپرستی کے بغیر رفتار کبھی وہ نہیں ہو سکتی جو میں چاہتا ہوں۔"

نعیم واصف نے لمحہ بھر رک کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تجربے کی گہرائی اور سیاست کی چالاکی جھلک رہی تھی۔

"عالمگیر، تم جانتے ہو یہ شہر... یہ زمین... یہ سب کھیل کی طرح ہے۔ کھیلنے والے کی حکمت زیادہ اہم ہے، اسٹک اور گیند نہیں۔" عالمگیر مسکرایا، جیسے یہ نصیحت وہ پہلے بھی کئی بار سن چکا ہو۔

"اسی لیے تو آپ سے ملنے آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اگلا شاٹ ہم ساتھ کھیلیں، اور جیت بھی ساتھ ہو۔"

"تم جانتے ہو ناں ریلوے کی وزارت میں تمہیں شامل کرنا میرے لیے بالکل بھی آسان نہیں ہے" انھوں نے کئی بار کی دہرائی ہوئی بات دہرائی۔ نعیم واصف نے اپنے دستانے درست کرتے ہوئے اسٹک سنبھالے کھڑے ہوئے۔ عالمگیر نے بھی گیڈی کی ہیلپ سے دستانے پہنے اور اپنی اسٹک پکڑے نعیم واصف کے روبرو کھڑا ہوا۔

"اور آپ کے علاوہ یہ کوئی اور کر بھی نہیں سکتا" عالمگیر نے خوشامدی طور جتایا۔

گیڈی جھک کر بیگ سے ایک چمکتی سفید گیند نکالی پھر بڑی احتیاط سے گھاس کو ہموار کیا پھر جیب سے ایک چھوٹا سا ٹی (tee) نکالا —(لکڑی یا پلاسٹک کی چھوٹی سی کھونٹی، جس پر گیند کو رکھا جاتا ہے) گیڈی زمین پر جھک کر ٹی کو نرم گھاس میں آہستگی سے گاڑھا تاکہ وہ مضبوطی سے کھڑا رہے۔ پھر نرمی سے گیند کو اس کے اوپر رکھ دیا گیند سورج کی روشنی میں موتی کی طرح چمکنے لگی۔

"بہت بری جگہ پھسا رہے ہو یار۔۔۔کل کو کسی بات کو لے کر تفتیش ہوئی تو دونوں ڈوبیں گے" نعیم صاحب کے لہجے میں تعاون اور ڈر دونوں شامل تھا۔عالمگیر کے ساتھ ڈیل کرنے میں فائدہ بھی تھا اور نقصان بھی اور وہ طے نہیں کر پا رہے تھے زیادہ کیا ہوگا فائدہ یا نقصان؟

گیڈی ایک قدم پیچھے ہٹا،ہاتھ کی پشت سے گھاس کے ننھے ذرے جھاڑ کر ہلکی گردن موڑتے ہوئے مؤدب لہجے میں بولا:

"سر،بال سیٹ ہے۔شاٹ تیار ہے۔"

عالمگیر نے اسٹک کو آہستہ آہستہ ہوا میں گھمایا جیسے ہر زاویہ پرکھ رہا ہو۔گیڈی پہلو میں خاموش کھڑا تھا،اس کی نظریں گیند پر اس شدت سے جمی تھیں جیسے دنیا کی ساری توجہ وہیں مرکوز ہو۔عالمگیر کو نشانہ ہدف کے عین بیچ میں لگانا تھا۔اسی لمحے اس نے نیم مسکراہٹ کے ساتھ مڑ کر کہا"ڈوبنے کی فکر نہ کریں نعیم صاحب،عالمگیر پیچھے کوئی سراغ نہیں چھوڑتا۔"یہ کہہ کر اس نے پوری قوت سے کلب گھمایا۔گیند فضا میں اونچی اڑی،دھوپ

میں چمکتی ہوئی جیسے آسمان سے باتیں کرنے جا رہی ہو۔ "کیونکہ عالمگیر برفات نقصان صرف فائدہ ہے" نعیم واصفنے قہقہہ لگایا مگر اس ہنسی میں بھی ایک باریک سا دباؤ چھپا ہوا تھا۔

"دیکھتے ہیں، تمہاری مہارت کھیل کے لائق ہے یا سیاست کے۔"

اسی لمحے ہوا کا ایک جھونکا آیا، درختوں کی ٹہنیاں ہلیں اور سمندر کی نمی فضا میں بھر گئی۔ جیسے کائنات بھی اس ملاقات کی گواہ بن گئی ہو۔

***********

مرزا محل کی صبح ہمیشہ کی طرح خاموش اور پرسکون تھی۔ پرندوں کی ہلکی چہچہاہٹ اور لان میں نصب فوارے کی مدھم چھنکار اس سکوت کو اور دلنشین بنا رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر نازک چائنا کے برتنوں سے اٹھتی خوشبو محل کی شان میں اضافہ کر رہی تھی۔

ناشتہ ختم ہوتے ہی خضر نے مسکراتے ہوئے کہا "کیا خیال ہے، آج پولو کھیلنے چلتے ہیں؟ کافی دن ہو گئے گراؤنڈ دیکھے ہوئے۔"

احنف نے تھوڑا جھجکتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگائی۔ آنکھوں کے گرد کام کی تھکن اور ذہن پر بوجھ کی لکیریں صاف جھلک رہی تھیں۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا "ہاں، ٹھیک ہے... شاید اچھا لگے۔ ہمیں کچھ دنوں سے عجیب سا دباؤ ہے، پولو کھیل کر تھوڑا ریلیکس ہو جائیں گے۔" خضر نے دوستانہ انداز میں کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"چلیں فوراً اٹھیں پھر۔ کبھی کبھی دماغ کو بھٹکانے کے لیے کھیل سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوتی۔"

یوں دونوں بھائی اپنی گاڑی کی طرف بڑھے، محل کی طویل راہداریوں سے گزرتے ہوئے جیسے پرسکون فضا انہیں نئے دن کی نوید دے رہی ہو۔ باہر دھوپ کی نرم کرنیں گھاس پر بکھری تھیں، اور آگے پولو کلب کا سفر ان کا منتظر تھا۔

پولو کلب کے دروازے پر پہنچتے ہی ایک الگ ہی دنیا سامنے آ گئی۔ لان کی مخملی سبز گھاس پر صبح کی دھوپ سنہری جالی کی طرح بکھری تھی۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ان کے کھروں کی

ٹھک ٹھک پورے میدان میں گونج رہی تھی۔ دور کھڑے اصطبل سے تازہ گھاس اور چمڑے کی خوشبو ماحول میں رچی ہوئی تھی۔

خضر نے گاڑی اندر لے جا کر مخصوص پارکنگ میں روکی۔ احنف نے شیشے کے پار نگاہ دوڑائی تو کھلاڑی وردی پہنے گھوڑوں پر مشق کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں میں چمکتے مالٹ (mallets) فضا کو کاٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھتے ہی احنف کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جیسے لمحہ بھر کو ذہن کے بوجھ کم ہو گئے ہوں۔ اور پرانی یادیں تازہ ہو گئیں ہوں۔

گیڈی حضرات گھوڑے سنبھالے کھڑے تھے، کوئی لگام درست کر رہا تھا، کوئی زین کس رہا تھا۔ خضر نے ہاتھ ہلا کر ایک پرانے شناسا گیڈی کو بلایا۔

"آج ہمیں دو بہترین گھوڑے تیار کر دیں، پولو کھیلنے کا موڈ ہے۔"

"جی سر، ابھی لے آتا ہوں۔" گیڈی نے مؤدب لہجے میں سر جھکا کر کہا۔ چند لمحوں بعد دو خوبصورت گھوڑے، ایک سیاہ اور ایک چسٹ نٹ رنگ کا، سامنے لائے گئے۔ ان کے بدن

پر روشنی یوں پڑ رہی تھی جیسے ریشم پر دمک ہو۔ احنف نے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرا تو اس کے چہرے پر برسوں بعد سکون کا سا تاثر ابھرا۔

"چلیں خضر..." اُس نے آہستہ سے کہا، "ہو جائے پھر ایک کھیل ہماری آنے والی فتح کے نام" اسے دیکھتے وہ سر خم دلی سکون سے مسکرا اٹھا۔

پولو گراؤنڈ کے وسط میں کھلاڑی اپنی پوزیشن پر تیار کھڑے تھے۔ میدان کی گھاس تازہ تراشی ہوئی تھی، جس پر گھوڑوں کے قدموں کے نشان گہرے اور سیدھی لکیروں کی طرح بن رہے تھے۔ فضا میں ایک عجیب سا جوش تھا— نعرے لگانے والے، تماشائیوں کی گفتگو اور گھوڑوں کے دم سے اڑتی مٹی سب مل کر ماحول کو زندہ کر رہے تھے۔

احنف نے زین پر بیٹھتے ہی لگام مضبوطی سے تھامی۔ گھوڑے نے گردن جھٹکی تو اس کے جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ خضر نے اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر بھائی کی طرف دیکھا اور پر اعتماد مسکراہٹ کے ساتھ بولا "یاد رکھنا، آج کھیلنا ہے جیت کے لیے... ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!" ریفری نے گھنٹی بجائی اور گیند میدان کے بیچ میں اچھالی۔ سب گھوڑے

ایک ہی وقت میں اس کی سمت لپکے۔ دھول کے بادل اٹھے، کھروں کی ٹک ٹک اور مالٹ کے زوردار جھٹکوں نے پورے ماحول کو سنسنی خیز بنا دیا۔

احنف نے پہلی ہی کوشش میں گیند کو نشانے پر لیا۔ مالٹ گھوڑے کے پہلو سے جھولتا ہوا نیچے گیا اور گیند کو سیدھا آگے دھکیل دیا۔ گیند گھاس پر پھسلتی ہوئی تیزی سے ہدف کی طرف۔ خضر گھوڑے کو ایڑی لگاتا ہوا برابر آیا اور دونوں بھائیوں کے گھوڑے ہوا کی طرح دوڑنے لگے۔

احنف کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک تھی، جیسے کھیل کے شور اور دوڑ میں اس کے ذہن کا سارا بوجھ کہیں پیچھے رہ گیا ہو۔ اس لمحے کے لیے وہ صرف کھلاڑی تھا... بس ایک کھلاڑی۔

**************

کلب کی شاندار عمارت کے اندر کرسٹل لائٹس کی روشنی قالین کے گہرے رنگوں پر پڑ رہی تھی۔ فضاء میں خوشبو اور ہلکی موسیقی گھلی ہوئی تھی۔ نعیم واصفکی بیوی اور کزن ہلکی

مسکراہٹ کے ساتھ مریم اور امراء سے بات کر رہی تھیں، مگر ان کی مسکراہٹ میں وہ رعونت چھپی تھی جو اکثر ایلیٹ کلاس کی خواتین کے لہجے میں محسوس ہوتی ہے۔

امراء صوفے پر بیٹھے اپنے ناخن کے کنارے سے کپڑے کی بُنائی کو چھیڑ رہی تھی، چہرے پر جھنجھلاہٹ اور دل میں بے زاری۔ اسے زبردستی یہاں لایا گیا تھا اور اب ہر سوال، ہر نظر اسے مزید بوجھل کر رہی تھی۔

"آپ کا ڈریس تو کمال ہے، کہاں سے لیا؟" ایک خاتون نے رسمیات نبھاتے پوچھا۔

امراء نے ہلکی سی مسکراہٹ دی مگر جواب دینے کے بجائے اپنی نظر موبائل پر جما دی، جیسے وہ کسی اور دنیا میں ہے۔

دوسری طرف مریم نسبتاً خاموش مگر ہر پل چوکس تھی۔ اس کی نظریں بار بار شیشے کے بڑے پینلز سے باہر جا کر عالمگیر اور نعیم واصف کی طرف اٹھ جاتیں۔ دونوں کو آہستہ آہستہ چلتے اور بات کرتے دیکھ کر اس کا دل بے وجہ بے چین ہو رہا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ ملاقات صرف کاروباری نہیں، اس میں کچھ اور بھی پوشیدہ ہے۔

"ویسے تمہیں دیکھ کر لگتا نہیں تم دو بچوں کی ماں ہو"

نعیم واصف کی بیوی نے مسکرا کر بات کی، لیکن یہ جملہ مریم کے دل میں تیر کی طرح لگا۔ اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ وہ راز، وہ پرانا زخم ایک دم جاگ اٹھا۔ آنکھوں کے اندر خوف اور بے بسی تیرنے لگے۔

امراء نے یہ تبدیلی فوراً بھانپ لی۔ اس نے مریم کا لرزتا ہوا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور بنا وقت ضائع کیے مسکراتے ہوئے کہا "جی بالکل" مریم کی جگہ امراء نے جواب دیا "آپ بھی کہیں سے نہیں لگتی ہیں اتنی جوان بیٹی کی ماں"

اس نے ساتھ بیٹھی لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو مسلسل موبائل پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

"اوہ۔۔یہ میری بیٹی نہیں ہے"

وہ کھلکھلا کر ہنسیں "یہ تو میری بھانجی ہے اکثر میرے پاس ہی رہتی ہے۔ میرے بچے تو کافی چھوٹے ہیں" مریم خاموش تھی، لیکن اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کا جسم ہلکے ہلکے لرز رہا تھا۔ دل میں گھبراہٹ طوفان کی طرح اٹھ رہی تھی۔ اسے اینگزائٹی ہو رہی تھی۔

(Anxietyاینگزائٹی ایک بے چینی، گھبراہٹ یا حد سے زیادہ فکر کرنے کی کیفیت کو کہتے ہیں۔یہ کیفیت عام طور پر اس وقت ہوتی ہے جب انسان کو کسی بات کا ڈر یا پریشانی ہو۔)

امراء نے فوراً بیچ میں کہا" آئی تھنک میرے ڈریس میں تھوڑی پرابلم ہو گئی ہے میما میری مدد کر دو گی پلیز"

مریم نے بمشکل ہمت جمع کی،سر ہلایا"ایکسکیوز می"وہ معذرت کرتے ہوئے امراء کے ساتھ اٹھ گئی۔دونوں تیز قدموں سے ریسٹ روم میں داخل ہوئیں۔امراء نے آتے ہی ارد گرد نظر دوڑائی اور فوراًدروازے کو لاک کر دیا۔

"وہ اتنی آسانی سے اس کا ذکر کیسے کر سکتی ہے"مریم کا وجود کانپ رہا تھا۔وہ روتے ہوئے امراء کے گلے لگ گئی۔امراء اس کی پیٹھ سہلاتی رہی،بس سنتی رہی۔"وہ میرے وجود کا حصہ تھا امراء جسے میں دنیا سے چھپائے ہوئے ہوں،کوئی بھی آ کر اسے یوں عیاں کیسے کر سکتا ہے۔۔اسے کیسے پتہ چلا ہو گا اس کے بارے میں"مریم بلک رہی تھی۔اس کی آواز میں

ٹوٹ پھوٹ تھی۔ امراء کے پاس الفاظ نہ تھے۔ یہ وہ راز تھا جس سے نہ مریم اور نہ عالمگیر کبھی سامنا کرنا چاہتے تھے، لیکن دنیا کے کچھ لوگ ہمیشہ انھیں وہیں بیس سال پہلے گھسیٹ کر کھڑا کر دیتے تھے۔ "عالم کو پلیز مت بتانا اس بارے میں وہ سہہ نہیں پائے گا" مریم التجا کر رہی تھی۔ امراء نے اس کا چہرہ تھام کر کہا "میں نہیں بتاؤں گی۔ بھروسہ رکھو میما، سنبھالو خود کو ۔۔۔ ہمیں باہر جانا ہے"

اس نے ٹشو سے نفاست سے اس کے آنسو پونچھے۔ مریم نے اثبات میں سر ہلایا، پرس کھولا اور ایک سفید ڈبیا سے چند گولیاں نکال کر جلدی سے پھانک لیں۔ پھر میک اپ نکال کر آئینے میں ٹچ اپ کیا۔ آنکھوں کی لالی چھپائی، ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجالی۔

"چلیں" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ امراء نے مسکرا کر اس کا سر چوما اور دونوں باہر نکل آئیں۔

اب مریم کے آنسو میک اپ کی دبیز تہہ کے نیچے دفن ہو چکے تھے۔ وہ میکانکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی نشست پر آ بیٹھی۔

کوثر بیگم (نعیم صاحب کی بیوی) اب تاش کے پتے میز پر بچھا رہی تھیں۔ "آ گئی تم دونوں ۔۔ ایک ایک بازی ہو جائے؟" ان کے لہجے میں چیلنج تھا۔ وہ مہارت سے پتے شفل کر رہی تھیں۔

"کیوں نہیں" امراء بے خوفی سے مسکراتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ "میں تین پتی کھیلتی ہوں" اس نے کہتے ہی ویٹر کو اشارہ کیا کہ سکے لے آئے۔

"اوہ" کوثر بیگم کے ہونٹ افسوس سے سمٹ گئے۔ "وہ تو فرح کو اچھے سے کھیلنا آتی ہے" انہوں نے بھانجی کو شامل کیا اور پتے اس کے ہاتھ میں دیے۔

"چلیں ہم دونوں کھیل دیکھتے ہیں" انہوں نے مریم سے کہا۔ اور اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

مریم نے بس ایک رسمی مسکراہٹ دی۔

فرح مہارت سے کارڈ شفل کر رہی تھی۔ امراء بغور اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہی تھی۔

"بلائنڈ یا سین؟" فرح نے پوچھا۔

"بلائنڈ" امراء نے بنا سوچے جواب دیا۔ فرح نے ترتیب سے امراء اور دوسری کھلاڑی کے پیچ کارڈ بانٹ دیے۔ جب کارڈ ملے تو اس نے اور دوسری عورت نے دیکھ کر ایک دوسرے کو معنی خیز مسکراہٹ دی۔

ویٹر سکے لے آیا تھا جو اس کھیل میں رقم کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

"کتنے کی شرط لگا رہی ہو؟" کوثر بیگم نے امراء سے پوچھا۔

"آپ کتنے کی لگا رہی ہیں؟" امراء نے الٹا سوال کیا۔

"میں تو پانچ لاکھ لگا رہی ہوں، مجھے فرح پر پورا بھروسہ ہے" فرح نے بھی ان کی طرف دیکھ کر آنکھوں آنکھوں میں اعتماد جتایا۔

امراء سر جھکا کر ہنس دی۔ "میں دس لگاؤں گی"

یہ سن کر دونوں حیران رہ گئیں۔ ایک بلائنڈ کھلاڑی اتنا پر اعتماد کیسے ہو سکتا ہے؟

امراء نے پرس سے چیک بک نکالا، چیک کاٹ کر میز پر رکھا اور کوثر بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ ہچکچائیں مگر فرح کے اعتماد کو دیکھ کر چیک سائن کر دیا۔

تیسری کھلاڑی نے "پاس" کہہ کر ہاتھ کھڑے کر دیے۔ اب مقابلہ صرف امراء اور فرح کے درمیان تھا۔

"دکھاؤ" امراء نے کہا۔ فرح نے ناز سے ایک ایک کر کے تینوں کارڈ میز پر رکھ دیے۔

اس کے پاس سٹرائٹ (Sequence) تھا۔ امراء کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ فرح کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔

امراء نے ایک جھٹکے سے اپنے کارڈ پلٹ دیے۔ وہ جوڑا (Pair) تھا۔

کھیل پلٹ گیا۔ امراء جیت چکی تھی۔

فرح پھٹی آنکھوں سے کبھی کارڈ، کبھی امراء اور کبھی خالہ کو دیکھ رہی تھی۔

" کیسے کیا ؟"اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

"اگلی بار کارڈ تھوڑا نیچے کر کے شفل کرنا،سامنے والا سب دیکھ لیتا ہے "امراء نے جھک کر کہا۔وہ کندھے پر کوٹ درست کرتی اٹھی اور دونوں چیک پرس میں ڈال لیے۔

" کہاں جا رہی ہو ؟"مریم نے جلدی سے پوچھا۔

"میں یہاں بور ہو رہی ہوں، کچھ دیر پولو کلب میں بتا کر آتی ہوں،شاہ جہاں (علاء الدین برفات کا گھوڑا) کے ساتھ بیٹھ کر آتی ہوں، موڈ اچھا ہو جائے گا۔۔ تم تب تک باہر جا کر شوہر کو سپورٹ کرو"امراء نے کھڑکی سے باہر عالمگیر کو گالف کھیلتے دیکھا۔

" ٹھیک ہے،جلدی آنا"مریم نے تنبیہہ کی۔

"ڈونٹ وری، پانچ منٹ جانے کے، پانچ منٹ آنے کے، دس منٹ وہاں رہنے کے...

بیس منٹ میں آتی ہوں"

امراء نے دھیرے سے کہا۔

"میں بھی چلوں ساتھ؟" فرح نے جان بچانے کو ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ امراء نے

ایک نظر اسے اور پھر کوثر بیگم کو دیکھا، جو غصے میں بیٹھی تھیں۔

"شیور"

وہ خارجی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

"السلام و علیکم پاشا انکل، کلب میں ہیں آپ؟" امراء نے گھوڑے کے گارڈین کو کال ملائی۔

اس کی آواز میں ایک الگ سا اعتماد تھا۔

"شاہ جہاں کو تیار رکھیں، میں پانچ منٹ میں پہنچ رہی ہوں"

اس نے کال بند کی اور فرح کی طرف دیکھا۔ دونوں عالمگیر کی گاڑی میں بیٹھ کر پولو کلب کی طرف روانہ ہوئیں۔

"وہاں تمہارا اپنا گھوڑا ہے؟" فرح نے تجسس سے پوچھا۔

"نہیں، میرے بابا کا ہے"

"تو ایک ہی بات ہوئی ناں" فرح نے بات کو ہنسی میں اڑایا۔ امراء بس خاموشی سے مسکرا دی، جیسے دل میں کوئی پرانی یاد چھپی ہو۔

شاہ جہاں... ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا، جس پر ہر نگاہ رک جاتی تھی۔ اس کا قد، اس کی رفتار، اور وہ شان جو اسے دوسرے گھوڑوں سے منفرد بناتی تھی۔

"یہ کس کا گھوڑا ہے؟" احنف کے ساتھی کھلاڑی میں سے ایک نے تجسس سے آواز لگائی۔

بوڑھے گیڈی نے اسے گھورا، پھر ساتھ کھڑے ایک اور گیڈی نے سخت لہجے میں کہا "یہ برفات کا گھوڑا ہے۔ کسی کو بھی ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں ہے، سوائے پاشا صاحب کے۔ "

Clubb of Quality Content

جیسے ہی لفظ بُر فات گونجا، احنف اور خضر کے چہروں پر ناگواری کی جھلک آگئی۔ ان کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی کلب کے وسیع گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے لمبی سبز گھاس سے ڈھکا ہوا گراؤنڈ، اطراف میں واک وے اور فاصلے پر اصطبل اپنی شان کے ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تازہ کٹی گھاس کی خوشبو ماحول کو اور بھی دلکش بنا رہی تھی۔ سیکیورٹی عملے کے جوتوں کی آوازیں گھاس پر گونجنے لگیں۔ سخت پہرے کے درمیان دو لڑکیاں گاڑیوں سے نکل کر گراؤنڈ کی طرف بڑھیں۔ فضا میں ایک دباؤ سا پھیل گیا۔

احنف نے خضر کے بدلتے تاثرات دیکھے اور ماحول ہلکا کرنے کو جلدی سے کہا "ایک اور کھیل ہو جائے۔" خضر محض سر ہلا سکا اور اپنے کھیل میں دوبارہ مشغول ہو گیا۔

Clubb of Quality Content

امراء کے قدم سیدھے شاہ جہاں کی طرف بڑھے۔ وہ گھوڑا جیسے صدیوں سے اس کا انتظار کر رہا ہو۔ جب امراء نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے پر نرمی سے دستک دی تو گھوڑے نے آنکھیں بند کر کے اسے پہچان لیا۔

فرح نے ضد کی تو امراء نے اس کے ساتھ چند تصویریں کھنچوائیں۔ پھر شاہ جہاں کی لگام تھام کر ایک خالی گراؤنڈ کی طرف بڑھ گئی۔ گیڈیوں نے چاروں طرف کا میدان صاف کروایا۔

امراء گھوڑے پر سوار ہوئی۔

وہ لمحہ جیسے وقت کو روک دینے والا تھا۔ برسوں بعد شاہ جہاں پر بیٹھنے کا احساس—ایک پرانی دوست سے ملاقات کی طرح۔ گھوڑا بھی جیسے اس لمس کو پہچان گیا تھا۔ وہ سکون سے سر جھکا کر آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگا۔

دھوپ کی نرم کرنیں، گھاس پر پڑنے والا گھوڑے کے قدموں کا شور، اور ہلکی سی ہواؤں میں لہراتے درخت، سب مل کر ایک خوبصورت منظر بنا رہے تھے۔ امراء نے لگام کھینچ کر

اسے رفتار دی تو شاہ جہاں نے طاقتور جست لگائی اور پورے میدان کو اپنی برق رفتار دوڑ سے دہلا دیا۔ امراء کے لبوں پر برسوں بعد ایک کھرا، بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

اسے محسوس ہوا جیسے وقت پلٹ گیا ہو۔ وہی بچپن کی خوشبو، وہی میدان، وہی گھوڑا، اور وہی آزادی کا احساس—شاہ جہاں کی رفتار کے ساتھ اس کی روح بھی ہوا میں اڑ رہی تھی۔ برسوں بعد وہ اس گھوڑے پر سوار ہوئی تھی۔ فضا میں ایک پرانا تعلق جاگ اٹھا تھا۔

دور احنف گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی کا چہرہ ہیٹ اور زلفوں میں چھپا ہوا تھا۔ ایک پراسراریت تھی جو اسے اور قریب کھینچ رہی تھی۔

اچانک پولو بال کا شاٹ لگا اور سیدھا شاہ جہاں کو جا لگا۔ گھوڑا بے قراری سے اچھلا، بے قابو ہونے لگا۔ گراؤنڈ میں سب تشویش سے امراء کی طرف بڑھے۔

احنف نے فوراً گھوڑے کو ایڑی لگائی اور امراء کی طرف لپکا۔ دل کی دھڑکن تیز تھی۔ وہ گھوڑے کو سنبھالتے بڑی طرح سے الجھی ہوئی تھی۔

،لیکن جب تک وہ قریب پہنچا امراء شاہ جہاں کو قابو میں کر کے احتیاط سے نیچے اتر چکی تھی۔

وہ گھوڑے کی دوسری طرف کھڑی تھی، چہرہ اب بھی چھپا ہوا۔ سیکیورٹی عملے کے بوٹوں کی دھمک گھاس پر قریب آ رہی تھی۔

احنف نے گھوڑے کو روکنے کی بجائے جھٹکا دیا اور واپس پلٹ آیا۔ خضر اسے گھور رہا تھا، آنکھوں میں طنز اور سوال بھرا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" احنف نظریں چراتا ہوا خفگی سے بولا، "اب بندہ کسی کی مدد بھی نہ کرے؟"

"جی نہیں"

خضر نے سرد لہجے میں کہا، گھوڑے سے اترا اور لگام گیڈی کو تھماتے ہوئے بولا "برفات کی تو بالکل بھی نہیں۔" وہ ناراض قدموں سے خارجی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے برفات ہی سہی، انسان تو ہیں ناں؟" احنف بھی نیچے اترا، گھوڑا گیڈی کے حوالے کیا اور جلدی سے خضر کے پیچھے ہوا۔ "اور پھر وہ لڑکی تھیں... زیادہ اہم بات یہ ہے کہ غلطی ہماری تھی۔"

خضر رکا، اسے گھورا، آنکھوں میں شعلے تھے "میری شکل پر بیوقوف لکھا ہوا ہے؟"

احنف ایک قدم پیچھے ہٹا۔ او بغور اسکے چہرے کو دیکھا۔

"نہیں"

"تو پھر بنا کیوں رہے ہیں؟"

خضر نے خفگی سے کہا اور جھڑک کر آگے بڑھ گیا۔

احنف نے پلٹ کر آخری بار امراء کی طرف دیکھا۔ گاڑیاں روانگی کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

وہ عملے کی اوٹ میں چلتی ہوئی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ منظر میں ایک

پراسرار سا بوجھ چھایا ہوا تھا۔ وہ گہری سانس لیتے خضر کے پیچھے بھاگا۔ فی الحال اسے منانا

زیادہ ضروری تھا۔

*************

گاڑی سنسان سڑک پر دھیرے دھیرے رواں تھی۔ شام ڈھلنے کو تھی اور آسمان پر سرخی کی لکیر پھیل رہی تھی۔ کھڑکی سے آتی ہوا حنام کے بالوں کو بکھیر رہی تھی۔ وہ یکدم زین کی طرف مڑی، اس کی آنکھوں میں ایک انجانی بے قراری تھی۔

"زین" حنام نے دھیمی مگر کٹیلی آواز میں کہا "تم نے جواب نہیں دیا تھا..."

زین کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر سختی سے جمے رہے۔ اس نے نظریں سڑک پر گاڑ دیں جیسے کچھ چھپانا چاہ رہا ہو۔ "کس بات کا؟"

حنام کی پلکیں لرزیں، اس کے لبوں پر ہلکی سی کپکپاہٹ آئی اور آنکھوں میں خفگی۔ "اس دن جو میں نے پوچھا تھا..."

زین نے بھاری سانس لے کر بے نیازی جتائی "کیا پوچھا تھا؟"

حنام کا روم روم غصے میں ڈوبا "زین... " اس کا لہجہ بھرا ہوا تھا۔ جیسے اس ایک نام میں ہزار سوال قید ہوں۔ اچانک کار کے اندر عجیب سا سکوت چھا گیا۔ صرف ہوا کی سرسراہٹ باقی رہ گئی۔ شاید وہ ابھی کوئی جواب نہیں دینا چاہتا تھا یا شاید اس پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس نے مزید اس ٹاپک پر بات نا کرتے ہوئے ٹاپک اور موڈ چینج کیا۔ "تم گاڑی اتنی سلو کیوں چلاتے ہو؟" زین نے پہلی بار اسکی طرف دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

" کیوں کہ گاڑی چلانا ابھی میں سیکھ رہا ہوں" اسٹیرنگ کو مضبوطی سے پکڑے اس نے سڑک پر نظریں واپس گھمائیں۔ "تمہیں چلانا آتی ہے گاڑی؟" اس ٹاپک سے یہ ٹاپک زیادہ سہل تھا تو اسی کو جاری رکھا۔ کیونکہ کئی بار ہم ان سوالوں سے جان بوجھ کر بچتے ہیں جن کے جوابات ہمیں معلوم ہوتے ہوئے بھی اب ان کا اقرار نہیں کر پاتے۔

"ہاں تمہاری طرح تھوڑی بہت" حنام نے بے زاری سے کندھے اچکائے "امراء کو بہت اچھے سے آتی ہے" اس نے خوشدلی سے بتایا جبکہ وہ حیران ہوا کیونکہ اس نام سے ابھی تک کوئی تعارف نہیں ہوا تھا۔

"امراء کون؟"

"میری....."حنام نے کچھ دیر توقف کیا۔اپنا اور امراء کا رشتہ سوچنے لگی۔ناتے جوڑنے اور بتانے میں بہت وقت لگتا اسی لیے اس نے مسکرا کر مختصر کہا" پھو پھو"

"تم پھو پھو کو نام سے بلاتی ہو؟"وہ خاصا حیران ہوا تھا۔حنام اس کے رد عمل پر زوروں سے ہنسی۔

"ہاہاہاہا.....ہاں کیونکہ وہ تقریبا میری عمر کی ہی ہے"اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔اس کا ہنستے ہوئے چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور آنکھیں نم۔زین مبہوت سا اسے دیکھنے لگا۔پھر فوراً خود کو زرنش کرتے ہوش میں لوٹتے ڈرائیونگ پر دھیان دیا"اوہ.....تو انھوں نے کہیں سے سیکھی؟"

"یس"وہ اس سے کھل کر بات کر رہا تھا حنام کیلئے اتنا ہی کافی تھا پھر ٹاپک چاہے کوئی بھی ہو"ہمارے گھر میں ہر چیز پراپر طریقے سے سکھائی گئی لائک پراپر ٹریننگ ہوتی ہے ہر

چیز کی.....اٹھنے کی، بیٹھنے کی، کسی سے ملنے کی، ہمارے گھر میں سب کی پر سنیلیٹی کے لحاظ سے الگ الگ کلرز ہیں پھر اسی طرح فیبر کس اور بہت ساری چیزیں"

"اوہ"حنام کے تفصیل سے بتانے پر اسکے ہونٹ گولائی میں سمٹے "یعنی بریٹش فیملی رولز فالو ہوتے ہیں تمہارے گھر"وہ کئی عرصہ ایسے لوگوں کے بیچ رہ کر آیا تھا۔ برطانوی لوگ وقت کی پابندی، صفائی، اور نظم و ضبط کو اہم سمجھتے ہیں۔ ان کے طرزِ زندگی میں اصول پسندی نمایاں ہوتی ہے۔ برطانوی سامراج کا طرزِ زندگی شائستگی، تعلیم، قانون، اور وقت کی پابندی پر مبنی تھا۔

"یس"حنام نے اثبات میں سر ہلایا"ویسے کتنا وقت ہو گیا ہے گاڑی چلانا سیکھتے ؟"

"میں یو۔کے سے واپس آکر سیکھنا شروع ہوا ہوں۔ شروعات بائیک سے کی تھی خضر ماموں نے سکھائی اب کچھ ماہ سے گاڑی پر آیا ہوں"زین نے دھیان سے موڑ کاٹتے تفصیل سے بتایا۔

"تمہارے پاس بائیک ہے ؟"حنام کی سوئی بائیک پر جا اٹکی وہ پر جوش انداز میں پوچھ رہی تھی۔

ہاں.....ایکچوئلی میرے نانا کی ہے"زین نے سٹپٹائے لہجے میں بتایا کیونکہ وہ اسکی اگلی فرمائش سے بخوبی واقف تھا"وہ نانو کو اسی پر گھماتے تھے لائک ان کی لو اسٹوری کی عینی شاہد ہے وہ بائیک.....احنف ماموں کے ہوش میں آنے سے پہلے سیکھی تھی اب تو ماموں مجھے بائیک چلانے سے منع کرتے ہیں"زین نے جتاتے لہجے میں کہا لیکن وہ کہاں سننے والی تھی۔

"اوہ واؤ.....مجھے بھی بیٹھنا ہے اس پہ"حنام نے بالآخر اپنی فرمائش ظاہر کر ہی دی۔

"نہیں ایسے کیسے!"زین نے سٹپٹاتے فوراً انکار کر دیا۔احنف کو اگر اس کے بائیک کا پتہ چلتا تو ڈانٹ پکی تھی وہ بھی حنام کے ساتھ۔وہ بالکل بھی رسک لینے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن حنام جیسی ضدی لڑکی کو اس نے بو ڈال دی تھی اب وہ اپنی بات منوائے بنا نہیں ٹلنے کی تھی۔

"زین پلیز...پلیز..."وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔

زین نے آہ بھری کس مصیبت میں اس نے خود کو پھنسا لیا تھا۔ "اچھا بابا... لیکن نانو سے اجازت لینی ہوگی۔" اس مری ہوئی آواز میں کہتے ہتھیار ڈالے وہ اسے پھر سے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا یا شاید اسے اس دن کی طرح روتے ہوئے دور جاتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ نا جانے کیوں مگر ہاں شاید یہی وجہ تھی۔

"ہاں تو چلو ناں" حنام نے خوشی سے اچھلتے کہا تو زین نے گاڑی کا رخ مرزا محل کی طرف کر دیا۔ وہ خوشی سے بڑبڑائے جا رہی تھی اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سن ہوتے کان لیے دل ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا "یا اللہ احنف ماموں گھر پر نا ہوں پلیز..... نانو کو تو میں منا ہی لوں گا" دل ہی دل میں مسلسل بڑبڑاتے اس نے پھیکی مسکان سے حنام کو دیکھا۔ گاڑی مرزا محل کے پاس رکی۔ زین نے ہینڈ بریک اوپر کرتے سیٹ بیلٹ کھولا تو حنام نے پوچھا

"میں بھی اندر آؤں"

"نہیں" اس نے اتنی اچانک اور اتنی زور سے کہا کہ حنام کا دل حلق میں اٹکا وہ بڑی بڑی آنکھوں سے سہمی سی کیفیت میں اسے دیکھنے لگی "سوری..... تم یہیں پر رکو پلیز.....

میں آتا ہوں پانچ منٹ میں" وہ معذرت کرتے جلدی سے گاڑی سے اترا۔ نہیں تو وہ پھر سے ضد کر ہی لیتی اور وہ ابھی اس حالت میں نہیں تھا کہ کسی کو اس کے بارے میں بتا سکتا۔ ابھی تو وہ خود کنفیوژن کا شکار تھا کہ آخر وہ اسکی طرف مائل کیوں ہو رہا تھا جبکہ وہ اس سے نفرت کا دعویدار تھا۔

وہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے بتیسی نکالے محل میں داخل ہوا۔ نوشاد بیگم لان میں رکھی سفید رنگ کی لوہے کی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان تھیں ٹیبل پر ٹی۔ ٹائم کے لوازمات سجے ہوئے تھے۔ وہ بڑے اور بھاری شیشوں والا چشمہ ناک پر ٹکائے ہوئے اخبار پڑھ رہی تھیں جس کی پرل چین جھولتے ہوئے ان کی گردن کے گرد گھوم رہی تھی۔

"السلام و علیکم نانو کیسی ہیں آپ" چالاکی سے پیار جتاتے اس نے عقب سے ہو کر ان کی گردن کے گرد بچوں سے بازو مائل کیے۔

"ارے میری جان" وہ چونکتے کھلکھلائیں اس کا ہاتھ تھام کر ہاتھ کی پشت کو چوما "ہمارے گھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟" پھر گھوما کر سامنے کرتے ساتھ والی کرسی پر بٹھایا۔

"اب ایسا کہیں گی آپ ہمیں "زین نے خفگی سے منہ بسوار۔ تو انھوں نے مسکاتے نفی میں سر ہلایا۔

"ارے نہیں"

"خضر اور احنف ماموں کہاں ہیں؟ نظر نہیں آرہے "اسے جلدی سے وہاں سے نکلنا تھا تو بات کو مختصر کرتے متلاشی نظروں سے ارد گرد جائزہ لیا۔ "وہ دونوں تو شاید پولو کھیلنے گئے ہیں..... کچھ دیر بیٹھو آتے ہی ہونگے وہ دونوں بھی "نوشاد بیگم نے چائے کے کپ میں چمچ ہلا کر مکس کرتے ساتھ رکھی چھوٹی پلیٹ میں چمچ رکھتے چائے کا سپ لیا۔

"نہیں میں تھوڑا جلدی میں ہوں پھر کبھی سہی..... ایکچوئلی مجھے بائیک چاہیے "زین نے کھڑے ہوتے جلدی سے کہا اور بے چینی چھپاتے انھیں دیکھنے لگا۔ اس کے اتنے جلدی پن پہ وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔

"بائیک؟..... کس لیے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نانو ایک دوست کو گھمانا ہے یہیں پاس ہی بس ایک راؤنڈ لگوا کر آجاؤں گا پرامس" وہ بے چینی اور بے قراری سے ارد گرد دیکھتے کہہ رہا تھا احنف نام کی تلوار سر پر لٹکی ہوئی تھی۔ کہیں احنف آ ہی نا جائے۔ نوشاد بیگم نے نفی میں سر ہلاتے کپ کو واپس اسکی پلیٹ میں رکھا۔

"احنف نے سختی سے منع کیا ہے آپ کو بائیک دینے سے جانتے ہیں ناں"

"آئی نو.....بٹ پلیز نانو دے دیں ناں بس پانچ منٹ میں آجاؤں گا.....پلیز" وہ بیچارگی سے منٹ بھرے لہجے میں بولا۔ تبھی زاویار وہاں چلا آیا اسے منمناتا دیکھ اس نے فوراً پوچھا۔

"کیا ہوا زین؟"

"السلام و علیکم ماموں" زین کا دل باغ باغ ہوا خوشدلی سے سلام کیا اب تو بائیک کی چابی ملنا پکا تھا۔ زاویار اور احنف کی آپس کی لڑائی میں اکثر اسکا فائدہ نکل آتا کیونکہ احنف اس پر روک ٹوک کرتا تھا اور زاویار اکثر اسکی ضد میں اسے بچا لیتا تھا۔

"وعلیکم السلام کس بات کیلئے اتنی منتیں کروا رہی ہیں آپ کی نانو" ناخوشگوار سی نظر ماں پر ڈالی جو کہ واپس اپنی چائے پینے میں مصروف ہو چکی تھیں۔

"کچھ نہیں بس وہ بائیک لے جانے کی ریکوئسٹ کر رہا تھا" زین نے معصوم سا منہ بناتے کہا

۔

"ہاں تو لے جائیں اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے" زاویار نے سادہ لہجے میں کہا مگر نوشاد بیگم نے ٹوک دیا۔

"احنف نے منع کیا ہے" بس اسی بات کی دیری تھی زاویا ضد میں آیا۔ اور ملازم کو آواز دی۔

"عدیل بائیک کی چابی لے کر آئیں" عدیل جلدی سے بھاگتے ہوئے چابی لے آیا" آئندہ بھی اگر کچھ چاہیے ہو تو ڈائریکٹ ہم سے مانگیے گا" زاویار نے چابی زین کو سونپتے کٹیلی نظر ماں پر ڈالی۔ زین چابی لیتے خوشی سے اچھلنے لگا۔

"تھینک یو سو مچ..... آئی لو یو ماموں" وہ اسے گلے لگا کر شکریہ ادا کرتا جلدی سے گیراج کی طرف بھاگا۔

"زاویا....." نوشاد بیگم اسکی اس حرکت سے ناخوش تھیں" وہ اس کی حفاظت کیلئے ہی اسے ان چیزوں سے دور رکھتا ہے" انھوں نے بیٹے کے دفاع میں آواز اٹھائی۔

"ان سے کہیے گا دوسروں کو ٹوکنے سے پہلے اپنی جوانی کے دن یاد کر لیں" زاویا نے طنزیہ لہجے میں کہا اور واپس پلٹ گیا۔ زین خوشی سے جھومتے بائیک باہر لے آیا۔ جہاں حنام اسکا انتظار کر رہی تھی۔ بائیک گاڑی کے ساتھ کھڑی کرتے زین نے اتر کر اس کیلئے گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ فراک درست کرتے بیگ کی چین کر اس کر کے پہنتے بائیک کے پاس آکھڑی ہوئی۔ موبائل سے چند ایک تصویریں بنانے کے بعد اس نے موبائل ہو پرس میں رکھا۔ تب تک زین نے بائیک کی نشست سنبھالتے انجن اسٹارٹ کیا۔

"بائیک پر بیٹھنا آتا ہے؟" اس نے حنام کو دیکھتے پوچھا تو اس نے زور و شور سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میرا فرسٹ ٹائم ہے..... ڈر بھی لگ رہا ہے کافی" سہمے لہجے میں کہتے وہ بائیک کو دیکھ رہی تھی۔ خوشی بھی تھی اور ڈر بھی زندگی میں پہلی بار وہ اس پر بیٹھنے والی تھی۔

"کوئی بات نہیں مجھے تھام لینا ڈر نہیں لگے گا" زین نے پیار بھرے لہجے میں کہا تو حنام سانس روکے یک ٹک سی اسے دیکھنے لگی۔ زین نے اپنے بائیں ہاتھ سے نرمی سے حنام کا

Clubb of Quality Content

بایاں ہاتھ پکڑا اور اسے گھماتے بیٹھنے میں مدد کی۔ وہ اسی کی طرح اس سے قدرے دور بیٹھی تھی "اتنی دور بیٹھو گی تو گر جاؤ گی" زین نے سائیڈ مرر سے اسے دیکھتے مسکراہٹ دباتے شرارت سے کہا۔ حنام نے خفگی سے اسے دیکھا اور قدرے اسکے قریب ہوئی۔ زین نے سامنے دیکھتے غیر محسوس طریقے سے اس کے دونوں بازوؤں کو تھامتے اپنے سینے کے گرد لپیٹا۔ حنام کی سانس ایک پل کو اٹکی "کس کے پکڑو نہیں تو گر جاؤ گی" زین نے سرگوشی سے کہا۔ اسکے دل کی ڈھڑکنیں حنام کو اپنے ہاتھوں میں جذب ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ قدرے اور قریب ہوئی اتنا کے وہ اس کے چوڑے شانے پر سر ٹکا سکتی تھی۔ حنام کی سانسوں کی گرماہٹ زین کے کانوں کی لو گرما رہی تھی۔ حنام دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے کے اوپر جمائے مضبوط سی گرفت بنائے ہوئے تھی۔ یہ سب خواب تھا سچ میں ایک خواب تھا زین کیلئے وہ جس کی اس نے کبھی خواہش بھی نا کی تھی لیکن وہ اس زندگی میں شامل تھا ایک ان کہے احساس کی طرح جو اسے برا نہیں لگ رہا تھا جو اسے خود میں سمائے جا رہا تھا وہ ہر بار حنام کے مزید نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ بائیک دھیرے دھیرے سڑک پر

رواں دواں تھی۔ ان دونوں کے بیچ لفظی خاموشی تھی مگر دھڑکنیں ایک جٹ سی منتشر ہو کر شور برپا کیے ہوئے تھے۔ ہوا کے دوش پر حنام کے ریشمی بال لہرا کر اس کے چہرے کا طواف کر رہے تھے۔ ہر بڑھتا لمحہ اس کا دل سرشار کر رہا تھا وہ بہک رہی تھی ان احساسوں ان لمحوں میں۔

"زین" اس نے دھیرے سے پکارا۔

"ہمم" زین ہمہ تن گوش ہوا۔

"زین..... آئی لائیک یو"

"ہمم؟" وہ حیرت زدہ سا بولا۔ وقت ٹھہرنے لگا تھا اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے وہ بائیک کو سلو کرتے ایک طرف روکے ہوئے تھا۔

"آئی لائیک یو زین..... میں تمہیں بہت زیادہ پسند کرنے لگی ہوں" حنام اسکے چوڑے شانے میں منہ چھپائے اقرار کر رہی تھی اور وہ پتھرایا سا کانوں میں رستے اسکے الفاظوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا.....

*************

گاڑی کی ہلکی رفتار اور سڑک کے کنارے جھومتے درخت، عالمگیر کے ذہن میں ابھی تک کلب کی ملاقات کے مناظر گونج رہے تھے۔ موبائل بجا تو اس نے لاپرواہی سے اسکرین پر نظر ڈالی۔ طیب کی کال تھی اس نے اٹینڈ کرتے موبائل کان سے لگایا "ہاں طیب، بولو، "اس نے آہستگی سے کہا۔

دوسری طرف طیب کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی "سر... ہمارا ٹینڈر ریجیکٹ ہو گیا ہے۔ ہماری لگائی ہوئی کوئی بڈ بھی قبول نہیں ہوئی۔ کسی اور کمپنی نے ٹینڈر جیت لیا ہے۔ "یہ سنتے ہی عالمگیر کا ماتھا شکن آلود ہو گیا، لب سختی سے بھینچ گئے۔

"کس نے؟ "اس کی آواز میں دبا ہوا طوفان تھا۔

" نجب رفیق کی کمپنی نے، "طیب نے آہستگی سے جواب دیا۔

گاڑی کے اندر لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ عالمگیر کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی، جیسے اندر ہی اندر شعلے دہک اٹھے ہوں۔ اس نے گہری سانس لی، گردن پیچھے سیٹ سے ٹکائی اور مسکرا کر ہولے سے کہا "خرید لو اسے۔"

"مگر سر..." طیب کی آواز مزید ہچکچاہٹ میں بدل گئی، "وہ ایماندار انسان ہے۔ مجھے نہیں لگتا وہ ہماری بات مانے گا۔"

عالمگیر کی ہنسی سرد اور کٹیلی تھی۔

"طیب... بس قیمت جاننے کی دیر ہوتی ہے۔ ہر ایمان دار کا ایمان بکتا ہے۔" اس کے لہجے میں ایسا زہر گھلا تھا کہ جیسے وہ خود ایمان داری کو سب سے بڑی کمزوری سمجھتا ہو۔ "میٹنگ فکس کرواؤ میری اس سے۔ دیکھتے ہیں اسے بھی۔ اور ہاں فارغ کرو ان فالتو کے پارٹنرشپس کو جو ایک ٹینڈر نہیں جتوا سکتے" یہ کہہ کر اس نے کال کٹ کر دی۔

مریم جو خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی، مسکرا کر فخریہ نگاہوں سے شوہر کو دیکھنے لگی۔

عالمگیر نے اس کی نظروں کو محسوس کیا۔ اس کے چہرے پر غرور اور اطمینان پھیل گیا۔ وہ آہستگی سے جھک کر مریم کا ہاتھ تھاما اور ہونٹوں سے چھو لیا۔

گاڑی کی فضا میں اب تناؤ کی بجائے ایک غیر معمولی خوشگواری اتر آئی تھی۔ عالمگیر کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔

بہت جلد... اسے خزانے کی کنجی ملنے والی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

*************

پولو کلب سے واپسی پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے احنف نے اچانک چونک کر عقب میں جھانکا۔ سامنے کی سڑک پر بائیک پر سوار شخص پر نظر ٹکی تو اس کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"یہ زین ہے ناں؟" احنف نے بے یقینی کے عالم میں آہستہ سے کہا، جیسے خود اپنے دل سے تصدیق چاہ رہا ہو۔ خضر نے فوراً بیک ویو مرر کو ایڈ جسٹ کیا۔ نظریں تیکھی ہو گئیں، چہرہ سنجیدہ۔

"لگ تو وہی رہا ہے..." اس نے دبے دبے لہجے میں جواب دیا، مگر آنکھوں میں شک اور تجسس جھلک رہا تھا۔ اسے بائیک پر دیکھ احنف کو شدید غصہ آرہا تھا۔ اسکی عدم موجودگی میں خضر نے اسے بائیک چلانا تو سکھادی مگر وہ بالکل گوارہ نہیں کرتا تھا کہ وہ اب بائیک چلائے۔

"گاڑی گھمائیں جلدی" غصے سے اسکی انگلیاں کانپنے لگیں۔ دماغ کی نسیں تنی۔ وہ بہرحال غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ خضر نے گاڑی گھما کر دوسرے روڈ، پر ڈالتے بائیک کے قریب لے جا کر ہارن دیتے زین کو متوجہ کیا۔ ان دونوں کو دیکھتے زین کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ "ماموں" وہ بدحواس نظروں سے کبھی انھیں اور کبھی پیچھے بیٹھی حنام کو دیکھ رہا تھا۔ خضر نے اس سے قدرے دور گاڑی روکی۔ احنف فوراً گاڑی سے اتر کر اسکی طرف بڑھا۔

"مم.....ما.....ماموں" زین کو سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کہے۔

"کس کی اجازت سے بائیک لے کر گھوم رہے ہیں" احنف نے کھا جانے والی نظروں سے اسے اور عقب میں شرمندہ کھڑی حنام کو دیکھا۔ چوری کے بعد سے آج وہ ان سے مل رہی تھی اور ان کی نظروں کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نا تھی "وہ بھی عالمگیر کی بیٹی کو ساتھ لیے ..... پچھلا تجربہ کافی نہیں تھا زین آپ کے لیے؟"

"احنف ماموں میں نے ہی ضد کی تھی زین سے" حنام نے زین کو چپ چاپ ڈانٹ کھاتے دیکھ جلدی سے اسکا دفاع کیا۔ اس کے ماموں بلانے پر احنف کے ابرو تنے وہ حیرت سے بھانجے کو دیکھنے لگا جو شرمندہ حال نظریں چرا گیا۔

"اسٹاپ کالنگ می ماموں"....."ہم آپکے ماموں نہیں ہیں" احنف نے انگلی دکھاتے باور کرایا اور پھر زین کی طرف متوجہ ہوا۔" آپ کو بائیک چلانا کس نے دی ..... مت کی داد دینا پڑے گی دو دن ہوئے بائیک سیکھے اور روڈ ٹرپ انجوائے ہو رہی ہیں" اسے غصہ اسکے بائیک چلانے سے زیادہ حنام کو ساتھ لے کر بائیک چلانے پر تھا۔

"میرے پاس لائسنس ہے" زین دھیرے سے منمنایا۔

"کس گدھے نے اس کو لائسنس دلوایا ہے" اسکی بات پر زین نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو 'آپ نے' احنف اپنی جگہ تلملا کر رہ گیا۔

"نعیم....." زچ ہوتے اس نے سیکیورٹی عملے کی گاڑی چلاتے ڈرائیور کو آواز دی "بی بی کو ان کے گھر چھوڑ کر آئیں" احنف کو انھیں سونپا اور زین کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما "اور آپ ہمارے ساتھ چلیں"

"پر ماموں حنام" زین نے بیچارگی سے حنام کو دیکھا۔

"وہ سیف ہیں زین۔۔۔کم از کم آپ سے دور رہ کر تو ضرور رہی" احنف نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے خطرے کے بارے میں بور کروایا۔ پھر گارڈ کی طرف متوجہ ہوا "ہشام بائیک گھر لے جائیں" سب کو بتائے کاموں پر روانہ کر کے وہ زین کو لیے خضر کے ساتھ آفس چلا آیا۔ اسے گھر لے جا کر وہ کسی قسم کا بکھیڑا نہیں کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ اتوار کا دن تھا تو آفس میں ان تینوں کے علاوہ کوئی اور نا تھا۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

"زین سیر یسلی..... آپ کو پتہ بھی ہے پچھلی بار آپ کے ساتھ کیا ہو سکتا تھا..... ہم نہیں تھے وہاں..... خضر نہیں تھے جو آپ کو پروٹیکٹ کرتے اس عالمگیر سے..... آج تک سوچ سوچ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور آپ..... آپ کو کوئی پرواہ ہی نہیں..... اگر اس کی بیٹی کو ایک کھروچ بھی آجاتی ناں اس نے کیا کر دینا تھا آپ سوچ بھی نہیں سکتے آپ کو مذاق لگتا ہے یہ سب" وہ آتے ہی زین پر برس پڑا۔ خضر سینے پر ہاتھ باندھے پیچھے کھڑا تھا اور وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ان کے بیچ۔

"ایسی بات نہیں ہے ماموں پلیز کام ڈاؤن" زین نے اسے سمجھانا چاہا۔ لیکن احنف نے جو اخذ کر لیا تھا وہ خطرناک تھا۔ بے حد خطرناک۔ وہ پوچھنا نہیں چاہتا تھا اس خدشے کو الفاظ نہیں دینا چاہتا تھا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر ٹہلنے کے بعد بلآخر اس نے پوچھ لیا۔

"پسند کرنے لگے ہیں انھیں؟" زین حیرت زدہ سا یک ٹک اسے دیکھنے لگا یہ اعتراف تو ابھی اس نے خود سے نہیں کیا تھا۔ احنف کو کیسے پتہ چل گیا؟

"کیا؟" خضر کو بے حد صدمہ لگا وہ عقب سے اس کے روبرو آیا اور اسے اپنی طرف موڑا" زین ہاں مت کہنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا"

"میں نہیں جانتا ماموں" وہ لاجواب سا سر جھکا گیا۔ خضر صدمے سے پھٹی آنکھوں سے احنف کو دیکھنے لگا جو چکراتے سر کو تھام چکا تھا۔ زین احنف کی طرف گھوما "مجھے بس اس کا ساتھ رہنا اب اچھا لگنے لگا ہے ماموں"

خضر نے خدشات کو دباتے زین کو اپنی طرف کیا "زین میری بات سنو یہ بس ایک دو دن کی اٹریکشن ہے۔۔۔ وہ لڑکی تمہارے لیے بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے" وہ خوفزدہ سا اسے سمجھانے لگا وہ نہیں چاہتا تھا وہ واپس عالمگیر کے سامنے جائے یا ان میں سے کوئی بھی اس سے رابطے میں رہے۔ وہ اسکا ڈسا ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں ناں دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ خضر چکا بھی وہی حال تھا وہ کسی قیمت پر نیا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا مگر احنف کے الفاظوں نے اسے اپنی جگہ پتھرا کر دیا۔ "زین اس سے پہلے کے یہ پسند محبت میں بدلے اور محبت کسی پچھتاوے میں اس سے وقت رہتے شادی کا پوچھ لو"

"کیا شادی؟"خضر کا دل پاتال میں ڈوبا۔وہ ایسے کیسے کہہ سکتا تھا؟"بھائی کیسی باتیں کر رہے ہو آپ؟"خضر جنجھلایا سا اسکے روبرو آیا۔احنف نے اسے پوری طرح سے نظر انداز کرتے اپنی بات جاری رکھی۔

"پہلے شادی کرو پھر جو کرنا ہے کرتے پھرو محبت کو یوں بدنام نا کرو"

"پر میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ماموں"زین نے تھوک نگلتے بمشکل کہا۔

"یوں کھلے عام حرام رشتہ رکھنے کا ارادہ ہے اس کیلئے ہمت ہے تمہارے پاس شادی کیلئے نہیں ہے؟"احنف غصے سے پھٹا۔خضر جھنجھلایا سا ان دونوں کے بیچ حائل ہوا۔"بھائی آپ زین کو اس جیسی لڑکی سے آپ شادی کیلئے کیسے رضامند کر سکتے ہو"

"اس جیسی لڑکی مطلب؟"زین قدرے غصے سے ان کے پاس آیا۔کچھ بھی تھا اب حنا م اسکے لیے اہم تھی۔

"مطلب وہ ہماری اوقات سے بہت اوپر ہیں زین..... ہمارے اور ان کے لائف اسٹائل میں زمین آسمان کا فرق ہے" احنف نے بات سنبھالتے آنکھوں ہی آنکھوں میں خضر کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ مردوں کی لڑائی میں عورتوں کو بدنام کرنے والا انسان نہیں تھا۔

"وہ یہ سب نہیں دیکھتی..... وہ صرف مجھے پسند کرتی ہے اسے میری حیثیت سے کوئی مطلب نہیں" زین نے اکھڑتے کہا۔ کسی ضدی بچے کی طرح جیسے اسے کچھ نہیں سننا تھا۔ اسے بس وہ چاہیے تھی۔

"ٹھیک ہے پھر فوراً بات کریں اس سے شادی کی ورنہ ہم آپ کو واپس یوکے بھجوا دیں گے" احنف نے صاف گوئی سے کہتے دو ٹوک لہجے میں بات ختم کر دی۔

"نہیں پلیز ماموں"

"جائیں اور سوچیں اس بارے میں" زین نے کچھ کہنا چاہا مگر احنف نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے وداع دی۔ وہ بے بسی سے دونوں کو دیکھتے آفس سے باہر نکل گیا۔ تو خضر احنف پر برسا۔

"آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں بھائی....."

"ششش" دروازے کے پار زین کا سایہ دیکھ احنف نے اسے فوراً ٹوکا۔ جو بات وہ چھپا چکے تھے اب اسکا ڈھول پیٹ کر کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"ہمیں معلوم ہے خضر ہم کیا کر رہے ہیں.....زین بھی اگلے چند ماہ ہمیں جوائن کر لے گا باقی سب ہم سنبھال لیں گے" احنف نے سرگوشی سے کہا۔

"اس چور کو زین کی زندگی میں شامل کیسے کر سکتے ہیں آپ" خضر اب بھی اسی بات پر بضد تھا

۔

"ہمارے پاس اور کوئی چوائس نہیں ہے خضر.....ہم بس زین کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔۔ ہم ان کی جوانی کی بغاوت نہیں سہہ سکتے" خضر کو اس بات سے بالکل تسلی نا ہوئی۔

""آپ کے پاس ہمیشہ چوائس ہوتی ہے بھائی... کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ خود چاہتے ہیں یہ رشتہ جڑے ؟" خضر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں میں طنز اور سوال دہک رہا تھا۔ اس نے خشمگیں نظروں سے احنف کو گھورا جیسے وہ اس کے دل کا پردہ چاک کر رہا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہو۔ احنف لمحہ بھر کو سن ہو گیا۔ دل جیسے کسی ان دیکھے شکنجے میں جکڑ گیا ہو۔ جواب زبان تک آیا مگر لبوں سے نہ نکل سکا۔ اس کی خاموشی ہی اس کی کمزوری بن گئی۔

"ہمیں فی الحال اکیلا چھوڑ دیں خضر... جائیں زین کو گھر ڈراپ کریں، اور آپ بھی گھر جا کر آرام کریں،" وہ بمشکل لہجے کو سنبھالتے ہوئے بولا اور اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔ بیٹھتے ہی اس نے رخ دوسری سمت موڑ لیا، جیسے خضر سے نظریں ملانا ان کے برداشت سے باہر ہو گیا ہو۔ خضر کی آنکھوں میں غصہ اور تلخی اتر آئی۔ چند لمحے وہ وہیں کھڑا تلملا کر اسے دیکھتا رہا، پھر قدم اٹھائے اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ جاتے جاتے دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ کمرے میں گونج پھیل گئی۔

احنف نے جھٹکے سے گردن موڑ کر دروازے کو دیکھا۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں دکھ اور خالی پن تیر گیا۔ پھر آہستہ آہستہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔ کمرے کی خاموشی میں صرف اس کے سانسوں کی بھاری آواز گونج رہی تھی، جیسے وہ اپنے اندر کے طوفان کو دبانے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔

***********

سہ پہر کی کرنیں آفس کی کھڑکی سے ڈھلتی روشنی کے ساتھ اندر آ رہی تھیں۔ ہوا میں سنجیدگی اور ایک عجیب سا بوجھ معلق تھا۔ احنف میز پر پھیلائی فائلوں کے بیچ ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ فون کی بیل نے سکوت توڑ دیا۔ اسکرین پر نام چمکا: نجب صاحب۔ اس نے فوراً فون اٹھایا۔

"عالمگیر کے اسسٹنٹ کی کال آئی تھی۔۔۔ کمپنی میں پارٹنر شپ مانگ رہا ہے۔" نجب صاحب کی آواز دبی ہوئی، سرگوشی جیسی تھی۔ احنف کے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک سرد مسکراہٹ پھیل گئی۔ آنکھوں میں چمک اور لہجے میں غرور اتر آیا۔

"ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا... کہ وہ اپنے پرانے اور آزمودہ وار کو ہی استعمال کرے گا۔" اس کے لہجے میں فتح کی خوشی اور فخر کی جھلک صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"اب آگے کیا کرنا ہے؟" نجب صاحب کی آواز میں بے چینی چھپی تھی۔

"وہی جو طے ہوا تھا..." احنف نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے سنجیدگی اور وقار سے کہا، نظریں خلا میں گاڑے جیسے منظر سے آگے دیکھ رہا ہو۔ کال منقطع ہوئی تو اس نے ایک لمحے کو فون کو دیکھا، پھر فوری طور پر دوسرا نمبر ملایا۔ اسکرین پر نام ابھرا: طالب وڑائچ۔

احنف کا چہرہ پرسکون مگر آنکھیں شکاری چالاکی سے جگمگا رہی تھیں۔

"السلام علیکم انکل!" اس نے خوش اخلاقی سے کہا، مگر اس خوش اخلاقی کے پیچھے چھپی سختی صاف جھلکتی تھی۔

"ڈسٹرب تو نہیں کیا آپ کو اس وقت؟"

"نہیں احنف، بولو بیٹا۔" طالب وڑائچ کی بھاری مگر نرم آواز آئی۔

"عالمگیر کا کیس اوپن کروا دیں" احنف نے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ جمائی، جیسے کوئی شطرنج کا مہرہ چال چلنے ہی والا ہو۔ "آپ دونوں کی ملاقات کا وقت آگیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ایک عجیب سی خوشی تھی۔ جملہ ختم کرتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ کوئی مزید وضاحت نہ دی، کوئی توقف نہیں کیا۔

اب احنف کی آنکھوں میں وہی اعتماد جھلک رہا تھا جو ایک شکاری کی آنکھوں میں شکار کو جال کے قریب دیکھ کر اترتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ جال پھینکا جا چکا ہے... اور یہ جال کچا نہیں، مضبوط کونٹھوں والا ہے۔ اب بس وقت کی بات تھی کہ شکار اپنی بھاگ دوڑ کے باوجود اسی جال میں پھنسے اور تڑپتا رہ جائے۔

**********

شام کے سائے اندھیروں میں ڈھل رہے تھے۔ کھڑکی سے باہر روشنی ماند پڑ چکی تھی اور کمرے کے اندر لیمپ کی زرد روشنی میز پر بکھرے کاغذات کو سنجیدگی کی چھاپ دے رہی تھی۔ نجب صاحب کرسی پر بیٹھے انگلیوں سے میز بجا رہے تھے—ایک ایک تھپتھپاہٹ ان کی بے چینی کا راز کھول رہی تھی۔

دروازہ کھلا اور عالمگیر طیب کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ چہرے پر پُر اعتماد مسکراہٹ، مگر آنکھوں میں غرور کی چمک صاف جھلک رہی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے مصافحہ کیا۔ "بہت شکریہ... میری درخواست قبول کرنے کا،" عالمگیر نے کہا۔

طیب احتراماً ہاتھ باندھے عقب میں ایستادہ رہا، جیسے ایک سائے کی طرح اپنے مالک کے حکم کا منتظر ہو۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ فائل اور بھاری بریف کیس تھا۔ نجب صاحب نے سرسری نظر اس پر ڈالی اقر مصافحہ کرتے سنجیدگی سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر نپے تلے الفاظوں میں بولے "کس سلسلے میں ملاقات کرنی تھی؟"

عالمگیر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

"میں سیدھی بات کروں گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں... میں آپ کے ساتھ پارٹنر شپ چاہتا ہوں۔"

"صرف اس لیے کہ کل کو میں ٹینڈر جیت جاؤں گا؟" نجب صاحب نے سرد لہجے میں وار کیا۔ عالمگیر کی مسکراہٹ لمحہ بھر کو رکی اور اس کی جگہ سختی نے لے لی۔ اس نے اپنی کرسی سیدھی کی، گویا اب کھیل کھل کر کھیلا جانا تھا۔

"میری کمپنی اچھی چل رہی ہے۔ مجھے کیا ضرورت کہ تمہارے ساتھ پارٹنرشپ کروں؟"یہ جملہ کسی فیصلے کی طرح تھا۔عالمگیر نے ایک لمحے کو گہری سانس لی، پھر عقب میں کھڑے طیب کو نگاہ دی۔ اشارہ ملا اور طیب نے بریف کیس میز پر رکھا۔

بریف کیس کے کھلتے ہی نوٹوں کی تہیں،ڈالرز کی خوشبو جیسے کمرے کی فضا بدل گئی۔ نجب صاحب نے نظر بھر کر دیکھا، پھر استہزائیہ مسکراہٹ ان کے چہرے پر کھل گئی۔

"یہ کمپنی میری زندگی کی ساری محنت ہے۔اور تم اسے دو پلوں میں تولنا چاہتے ہو؟" نجب صاحب نے اردو گرد اشارہ کرتے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"آپ کی کمپنی کی مارکیٹ ویلیو سے ڈبل دے رہا ہوں مجھے یہ ٹینڈر چاہیے"عالمگیر کی آواز میں اب کڑا پن تھا"چاہے اس کے لیے پوری کمپنی ہی کیوں نہ خریدنی پڑے۔ آپ قیمت بتائیے۔"

"اوہ... تو یہ سب ٹینڈر کا کھیل ہے؟" نجب صاحب نے گھڑی پر وقت دیکھا، پھر آنکھوں میں ایک معنی خیز چمک کے ساتھ بولے "اور پیپر ورک؟"عالمگیر نے طیب کو میز پر فولڈر رکھنے کا اشارہ کیا۔

"پیپرز تیار ہیں۔ کل صبح SECP میں فائل ہو جائیں گے۔"طیب جیسے ہی کاغذات میز پر رکھنے بڑھا، نجب صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"تو میں بھی دستخط صبح ہی کروں گا... اور قیمت بھی صبح ہی بتاؤں گا۔"عالمگیر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ جواب دینے سے پہلے ہی اس کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر طلال صدیقی کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ نام جس نے ہمیشہ اس کی راہوں میں کانٹے بوئے۔

ایک لمحے کو اس نے سوچا، پھر کال اٹھالی۔

"کیسے ہیں صدیقی صاحب؟"اس نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں..."دوسری طرف سے طنزیہ قہقہہ گونجا، "تم سناؤ... سنا ہے اسماعیل نے تمہارے خلاف ریویو پٹیشن ڈال دی ہے؟"یہ سنتے ہی عالمگیر کے دماغ میں

دھما کہ ہوا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ اس نے بے اختیار گھمبیر نظروں سے طیب کو دیکھا۔ اسے یہ بات معلوم کیوں نا تھی؟

نجب صاحب خاموشی سے اس کے بدلتے زاویے دیکھ رہے تھے—انہیں اندازہ تھا کہ کال میں کچھ ایسا ہے جو عالمگیر کے توازن کو توڑ رہا ہے۔

"کس نے کہا یہ؟" عالمگیر نے مضبوط مگر لرزتی آواز میں پوچھا۔

"کورٹ میں خبریں اڑ رہی ہیں... کہ طالب وڑائچ نے پٹیشن دائر کر دی ہے تمہارے خلاف۔"

عالمگیر کے ہاتھ نے ماتھے کا پسینہ مسلا، پھر اس نے بنا کچھ کہے کال کاٹ دی۔ کمرے پر خاموشی چھا گئی۔ لمحہ بھر بعد اس نے خود کو سنبھالا اور مسکرا کر نجب صاحب کی طرف دیکھا۔ اسے دھچکا لگا تھا مگر وہ اپنی کمزوری ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے... پھر صبح ملاقات ہو گی۔" یہ کہتے ہی اس نے پینڈے ہولڈر سے قلم نکالا اور پیپر پر دستخط جڑ دیے۔

"میری طرف سے تو ڈیل ڈن ہے۔ کل SECP میں اگر میں حاضر نہ ہوا تو میرا اسٹنٹ یا میرا کوئی آدمی ہو گا جو باقی معاملات دیکھ لے گا۔" وہ کھڑا ہوا، ہاتھ بڑھایا۔ "آپ سے ڈیل کر کے خوشی ہوئی۔"

نجب صاحب بھی کھڑے ہوئے، مگر ان کی آنکھوں میں ٹھہراؤ اور لہجے میں سختی تھی "ڈیل ابھی نہیں ہوئی ہے۔"

ہاتھ ملاتے ہی عالمگیر کی مسکراہٹ میں بے بسی کی ایک تلخ لہر ابھر آئی۔ کھیل ابھی باقی تھا۔

اسکے جانے بعد نجب صاحب نے احنف کو واپس کال ملائی "کام پلین کے مطابق ہوا ہے ۔۔۔ صبح کا ٹائم دیا ہے اسے"

"پرفیکٹ" احنف کے لہجے میں فتح اور شرارت گھلی۔ اب آئے گا کھیل کا اصلی مزہ!

* * * * * * * * *

"تمہیں کیسے معلوم نہیں ہوا؟" نجب صاحب کے آفس سے نکلتے ہی عالمگیر نے غصے سے ٹائی ڈھیلی کی اور طیب پر برس پڑا۔

"وہ میری ناک کے نیچے کھیل کھیل رہا تھا!"

"سر! میں نے ہر طرف سے اپ ڈیٹ چیک کی تھی... مجھے ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی۔

"طیب ہکلاتے ہوئے بولا۔ وہ دونوں لفٹ میں داخل ہوئے تو عالمگیر نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"کال ملاؤ اسے! دماغ تو نہیں خراب ہو گیا اس کا؟ پہلے کیس سے نکالا، پھر کمپنی کو وائٹ لسٹ کروایا... اور اب میری ہی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہا ہے!" لفٹ سے نکلتے ہی وہ لابی عبور کرتا غصے سے گاڑی میں جا بیٹھا۔ طیب کی انگلیاں لرزتے ہوئے موبائل پر دوڑ رہی تھیں، اسماعیل ڈار کو کال ملائی جا رہی تھی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

"سر... وہ کال نہیں اٹھا رہا۔" طیب نے ہچکچاتے کہا۔

عالمگیر کا ضبط ٹوٹ گیا۔" کمینہ! خبیث کہیں کا!"وہ آرم ریسٹ پر مکا مارتے صلواتیں سناتا رہا۔

گھر کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے گاڑی رکی تو پہرے دار فوراً دوڑ کر آیا اور دروازہ کھولنے لگا۔ گاڑی اندر پہنچی اور ہموار فرش پر رکتے ہی عالمگیر نے دروازہ کھولا۔ جیسے ہی وہ نیچے اترا، طیب بھی جلدی سے ساتھ ہی اتر آیا۔ اس کے قدموں میں جھجک اور چہرے پر پسینہ نمایاں تھا۔

"سر... میں بھی آپ کے ساتھ اندر آؤں؟"اس نے ہمت جتا کر آہستگی سے پوچھا۔

"جی نہیں طیب صاحب، آپ کی پہلی مہربانیاں ہی بہت ہیں۔ مزید میں سہہ نہیں سکوں گا۔ "اس کا لہجہ خنجر کی طرح کاٹتا ہوا نکلا۔ طیب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ نظریں جھکا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"بشیر کو سب سمجھا دینا"عالمگیر نے سامنے کھڑے بشیر کی طرف اشارہ کیا، جو اس کا پرانا اور وفادار ملازم تھا۔ "بشیر، یاد رکھنا، صبح SECP آفس تم ہی جانا۔ سارا کام اپنی نگرانی میں مکمل

کرو۔" پھر اس کے قریب آ کر سخت لہجے میں بولا" کوئی بھی مسئلہ ہو تو سیدھا مجھے کال کرنا، اور کسی کو نہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں غصیلی اور نفرت بھری طیب پر جا ٹھہریں۔ جیسے وہ اسے جتا رہا ہو کہ اب اس پر بھروسہ ختم ہو چکا ہے۔ طیب پسپا سا ہو کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ عالمگیر کا موڈ مزید بگڑ چکا تھا۔ وہ قدم تیز کرتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اور سیدھا اپنی لائبریری کی طرف بڑھا اور دروازہ زور سے بند کرتے ہی اندر جا گھسا۔ کمرے کی خاموش فضا میں اب صرف کتابوں کی خوشبو اور عالمگیر کے بھاری قدموں کی گونج باقی رہ گئی تھی۔ کورٹ اتار کر فرش پر پھینکی، سگریٹ کا پیکٹ میز پر رکھا، ایک سلگائی اور کاغذات و وکالت کی کتابوں میں کھو گیا۔ دھواں فضا میں گھلتا رہا، سگریٹ کی راکھ گرتی رہی، اور وہ پلٹتے صفحات کے ساتھ اپنے سینے اور دماغ کو جلائے جا رہا تھا۔

رات بیت گئی۔

فجر مسجد میں پڑھ کر لوٹا تو چہرے پر نیند نہیں، فقط سختی اور بوجھ تھا۔ خاموشی سے کمرے میں آیا، تیار ہوا۔ لاء کوٹ بازو پر ڈالتے آئینے میں خود پر نگاہ ڈالی۔ "کافی عرصہ ہوا ہے کورٹ

گئے "استہزائیہ انداز میں کہتے مسکراہٹ اچھالی اور بریف کیس لیے باہر نکل آیا۔ کچن کے پاس راستے میں امراء دکھی یقیناوہ جاگنگ کیلئے تیار ہوئی کھڑی تھی۔ عالمگیر نظر انداز کرتے ناک کی سیدھ میں چلتے گیا۔

" صبح صبح کہاں جارہے ہو "امراء نے فوراً ٹوکا۔

" کسی کو پیچھے سے ٹوکتے نہیں "عالمگیر نے برامناتے بنامڑے کہااور باہر نکل گیا۔ امراء نے حیرت سے پلٹ کر ماریہ کو دیکھااس نے بھی انجان طور کندھے اچکادیے۔

"خیر تو ہے۔۔۔پہلے تو کبھی نہیں گیااتنی صبح "امراء نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

Clubb of Quality Content!

* * * * * * * * * * *

عدالت کے کمرے میں خاموشی گہری تھی، صرف کاغذوں کی سرسراہٹ اور جج کے کلرک کے قلم کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ ہر طرف سنجیدگی اور دباؤ کاراج تھا۔

کمرہ نمبر ۳ کی بھاری لکڑی کی دروازہ جیسے ہی کھلا، سب کی نظریں پلٹ کر ادھر گئیں۔ عالمگیر سیاہ لاء کوٹ میں ملبوس، ہاتھ میں بریف کیس تھامے پرسکون مگر اندر سے بھڑکتے آتش فشاں کی طرح قدم رکھتا اندر آیا۔ نگاہوں میں غرور اور چہرے پر وہی سرد مسکراہٹ تھی جسے دیکھ کر اس کے مخالفین بھی ایک لمحے کو ہل جاتے تھے۔

سامنے جج صاحب اپنی کرسی پر بیٹھے کاغذات دیکھ رہے تھے۔ عالمگیر نے مؤدبانہ سلام کیا اور ملزم کی نشست پر بیٹھنے کے بجائے میز کے قریب وکیلوں کی نشست پر کھڑا ہو گیا۔

اسی لمحے دروازہ دوبارہ کھلا۔ بھاری جثہ، سفید شلوار قمیض اور گہری نگاہوں والا طالب وڑائچ داخل ہوا۔ اس کے ساتھ اسماعیل ڈار اس کا اسسٹنٹ وکیل اور چند ساتھی تھے۔ عالمگیر کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو شناسائی دوڑی۔

جج صاحب نے عینک کے اوپر سے دیکھتے ہوئے کہا" کیس نمبر ۴۵۶... عالمگیر بمقابلہ اسماعیل ڈار و دیگر۔ "کلرک نے فائل کھول کر پڑھنی شروع کی، کمرہ عدالت میں سناٹا طاری ہو گیا۔

طالب وڑائچ نے اٹھ کر دھیمی مگر مضبوط آواز میں کہا "جنابِ عالی! ہم نے ریویو پیٹیشن دائر کی ہے، کیونکہ ملزم عالمگیر نے پہلے میرے کلائنٹ سے کمپنی میں پارٹنر شپ مانگی صرف اور صرف انھیں ملا ٹینڈر حاصل کرنے کیلئے اور پھر پوری طرح سے ٹینڈر کی ذمہ داری خود لے لی۔۔یہاں تک تو بات قابل قبول تھی مگر جیسے ہی نقصان ہوا تو میرے عزیز دوست عالمگیر برفات نے زمہ داری لینے کی بجائے سارا الزام میرے کلائنٹ اسماعیل ڈار پر عائد کر دیا اور خود پوری طرح سے بری ہو گئے۔ اس وجہ سے نا صرف میرے کلائنٹ کو جیل کاٹنا پڑی بلکہ انکی کمپنی کی ساخت اور نام کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا چ انھوں نے سراسر میرے کلائنٹ کی کمپنی کے ساتھ جعل سازی اور غلط بیانی کی ہے۔" الفاظ جیسے ہی عدالت میں گونجے، عالمگیر ے چہرے پر مزید سختی آ گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں مگر لبوں پر مسکراہٹ قائم تھی۔

عالمگیر نے کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔

"جنابِ عالی! یہ سب جھوٹ اور فریب ہے۔ میری کمپنی کے تمام کاغذات شفاف ہیں۔ اگر کوئی جعل سازی کا الزام ہے تو ثبوت لایا جائے۔ ورنہ یہ سب محض میرے خلاف ایک سیاسی کھیل ہے۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو میں بھلا کیوں ان کی طرف سے کیس لڑتا اور نقصان کا آدھا حصہ پنیجیب سے ادا کرتا۔ اگر میں اتنا ہی بے اعتبار تھا تو یہ چند دن پہلے مجھ سے کمپنی کو وائٹ لسٹ کروانے کی درخواستلے کر کیوں آئے "عالمگیر نے اعتماد سے اپنی بات رکھی اور غرور سے اٹھیں گردن سے اسماعیل ڈار کو دیکھا۔ ہر طرف سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ کمرہ عدالت کی فضا میں کشیدگی پھیل گئی۔ جج صاحب نے ہتھوڑی بجائی "خاموشی! طالب صاحب آپ کو کچھ کہنا ہے اس بارے میں؟"

"جی نہیں سر چ۔۔۔ مجھے کچھ وقت درکار ہو گا ان کی بات رد کرنے کیلئے "عالمگیر کو نظروں میں تولتے وہ سنجیدگی سے بولے۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی۔

"اگلی سماعت تک دونوں فریق اپنے ثبوت پیش کریں گے۔" جج نے فیصلہ سناتے عدالت برخاست کی۔ عالمگیر نے آہستہ سے اپنا بریف کیس بند کیا، اسماعیل ڈار کی طرف ایک لمحے کو دیکھا اور آنکھوں میں جلتی آگ کے ساتھ مسکرا دیا۔

"یہ تو شروعات ہے... اصل جنگ ابھی باقی ہے۔"

"کھیل تو تم نے شروع کیا تھا، عالمگیر... اب دیکھنا انجام کیسے ہوتا ہے۔" اسماعیل ڈار بھی کہے بنا نا رہ سکے۔ وہ صرف مسکرا کر اس سے کترا کر گزر گیا۔

عدالت برخاست ہوتے ہی کمرہ جیسے شور میں بدل گیا۔ فائلیں سمیٹتے وکلاء، سرگوشیاں کرتے صحافی اور باہر نکلتے ہوئے تماش بین۔ عالمگیر نے پرسکون قدموں سے اپنا بریف کیس اٹھایا اور کمرہ عدالت سے باہر نکلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی طیب جلدی جلدی اس کے قریب آکر چلنے لگا۔

کوریڈور میں قدم رکھتے ہی فلیش لائٹس آنکھوں کو چندھیا گئیں۔ درجنوں رپورٹرز اور میڈیا کیمروں کا ہجوم ان کی طرف لپکا۔

"عالمگیر صاحب! آپ پر سنگین الزامات ہیں، کیا واقعی آپ نے جعل سازی کی؟"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے کمپنی خریدنے کی آفر کی تھی؟"

"عدالت میں طالب وڑائچ نے آپ کو جھوٹا کہا، آپ کا جواب کیا ہے اس بارے میں؟"

مائیکس اور کیمرے اس کے منہ کے قریب دھکیل دیے گئے۔

عالمگیر نے ٹائی کو ذرا درست کیا، اپنی مخصوص سرد مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور رکا نہیں۔ چلتے چلتے بس ایک جملہ بولا "سچ کو چھپایا جا سکتا ہے، مٹایا نہیں جا سکتا۔ باقی فیصلہ عدالت کرے گی، میڈیا نہیں۔" اس کے الفاظ پر ہجوم میں ہلچل مچ گئی۔ رپورٹرز اور زور زور سے سوال داغنے لگے، مگر وہ آگے بڑھتا گیا۔

اسی دوران عقب سے بلند ہوتی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

طالب وڑائچ میڈیا کے سامنے کھڑا تھا، چہرے پر سختی اور آواز میں طنز کی کاٹ۔

Clubb of Quality Content

"یہ صاحب بڑے بااعتماد بنتے پھر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا کھیل اب ختم ہونے والا ہے۔ عدالت میں ثبوت آئیں گے، پھر نہ ٹائی بچائے گی نہ یہ مسکراہٹ۔"

کیمروں کا رخ فوراً طالب وڑائچ کی طرف ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کو دور سے دیکھ رہے تھے۔ لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی، جیسے وقت رک گیا ہو۔ پھر عالمگیر نے ذرا گردن موڑ کر کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا، لبوں پر مسکراہٹ اب بھی قائم تھی مگر آنکھوں میں آگ دہک رہی تھی۔ وہ بنا کچھ کہے اپنی بلیک مرسڈیز کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلتے ہی کیمروں کے شٹر کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ عالمگیر گاڑی میں بیٹھا اور شیشے اوپر ہوتے ہی منظر سے غائب ہو گیا۔

کوریڈور میں صرف طالب وڑائچ کی بلند آواز گونج رہی تھی "اب عدالت ہی فیصلہ کرے گی کہ کون حق پر ہے اور کون فراڈ ہے!"

**********

Clubb of Quality Content

مرزا محل کی وسعتوں میں اس وقت ایک انجانی بے چینی بھری ہلچل پھیلی ہوئی تھی۔ خادم ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے، فون کی گھنٹیاں بار بار بج رہی تھیں اور احنف کے کمرے میں مسلسل آتے جاتے لوگوں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ احنف بار بار موبائل ہاتھ میں اٹھاتا، کبھی طالب وڑائچ کو کال ملاتا اور کبھی نجب رفیق کو۔ ہر کال کے بعد اس کا ماتھا تھوڑا کھلتا مگر اگلے ہی لمحے پھر سنجیدگی کی شکنیں لوٹ آتیں۔ وہ تیار ہونے کے دوران بھی لمحہ بھر کو چین سے نہ بیٹھ سکا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے اس نے دوبارہ نجب صاحب کو کال ملائی۔

"کہاں ہیں آپ؟" اس کی آواز میں جلدی اور بے تابی تھی۔

"میں پانچ منٹ وہاں رکا تھا، پھر آفس واپس آ گیا ہوں۔" نجب رفیق کی پُرسکون آواز کانوں میں گونجی۔

یہ سن کر احنف کے چہرے پر مطمئن سی مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ جان گیا تھا کہ حالات قابو میں ہیں۔ اس دوران طالب وڑائچ کا نمبر پھر بزی آنے لگا۔ شاید وہ کمرۂ عدالت میں کسی اہم بحث میں مصروف تھے۔

ناشتے کی میز پر دونوں بھائی صرف چند لقمے لے پائے۔ پلیٹیں تقریباً ادھوری رہیں۔ خضر نے جلدی سے گلاس اٹھایا اور پانی کے دو گھونٹ لے کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کانفرنس روم کیلئے نکلے۔

"ایکسائیٹڈ ہو؟" احنف نے خضر کے چہرے پر چھائی روشنی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پراستے میں وچھا۔

خضر کے ہونٹوں پر ایک دھیما سا تبسم آیا۔ "بہت..." اس کی نظروں میں لمحہ بھر کے لیے عالمگیر کا ہارا ہوا، مایوس چہرہ ابھر آیا۔ وہ منظر ہی اس کے جوش کو بڑھا رہا تھا۔

"بس کچھ دیر اور... پھر انشاء اللہ فتح ہماری۔" احنف نے مسکراتے کہا اور مضبوطی سے اسکا ہاتھ دبایا۔

کانفرنس روم ہمیشہ کی طرح بھرا ہوا تھا، کمپنیوں کے حکمران گول میز کے ارد گرد جبکہ باقی سیکرٹری اور کم عہدے والے افراد پیچھے لگی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ دروازے کے قریب جیسے ہی احنف اور خضر داخل ہوئے تو لمحہ بھر کو کئی نظریں ان پر اٹھ گئیں۔ خضر کے

چہرے پر اعتماد بھری مسکراہٹ اور احنف کے سنجیدہ مگر پُر عزم تاثرات،دونوں کو باقی سب سے نمایاں کر رہے تھے۔احنف کے قدم ناپ تول کے ساتھ فرش پر گونج رہے تھے اور خضر اس کے شانہ بشانہ چل رہا تھا۔

"لگتا ہے بچوں کو اسکول سے اب چھٹی ملی"عالمگیر نے احنف کو دیکھتے استہزائیہ کہا وہ مسکراتے آگے بڑھا خضر کو پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود کوٹ کا سامنے والا بٹن کھولتے عالمگیر کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہوا.عالمگیر کے چہرے پر عقب میں بیٹھے شخص کو دیکھ کر سختی دَر آئی۔وہ اس چہرے کو بخوبی پہچانتا تھا۔

"کچھ ضروری کام میں پھنس گیا تھا"اس نے مسکرا کر جواب دیا اور پانی کا گلاس اٹھا کر پیا،

"تم نے بھی بڈ کی تھی اس ٹینڈر میں؟"عالمگیر نے جانچتی نظروں بغور اسکا جائزہ لیا وہ اس وقت بلیک سوٹ میں ملبوس تھا جسکی شرٹ کا کالر نہیں مینڈ ارِن کالر تھا،اسکی گردن کے درمیان اور دائیں طرف اسٹیچز کے نشان تھے،اسکی آنکھوں کا رنگ دھندلا سا تھا گندمی

رنگت پر نفاست سے تراشی ہلکی ہلکی داڑھی بچ رہی تھی اس نے ٹائی نہیں پہنی ہوئی تھی" حکمران کی گردن آزاد اچھی لگتی ہے "یکایک اسکے زہن میں امراء کا جملہ گردش کیا۔

"جی بالکل، آپ کو کوئی شک ہے؟" احنف نے پر سکون مگر کاٹ دار لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا اعتماد جھلک رہا تھا۔ عالمگیر نے پل بھر کو طیب کی طرف دیکھا، جیسے تردید چاہتا ہو، لیکن پھر لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے ارادہ ترک کر دیا۔

ہال میں اناؤسمنٹ کرنے والا شخص داخل ہوا۔ ہاتھ میں لفافہ اور کاغذات لیے وہ مائیک کے قریب آ کر بولا" نجب کمپنی یہ ٹینڈر جیتی ہے۔" یہ الفاظ سنتے ہی پورے ہال کی فضاء جیسے تھم گئی۔ لمحہ بھر کو سب نظریں عالمگیر پر مرکوز ہو گئیں۔ عالمگیر کے چہرے پر حیرت کے تاثرات لمحے بھر کو ابھرے، پھر فوراً ہی وہ بدل کر فاتحانہ مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ اس کی آنکھوں میں غرور کی چمک تھی۔

"مبارک ہو عالمگیر صاحب، اس بار پھر آپ جیت گئے!" ایک آدمی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا، والہانہ انداز میں تالی بجاتے ہوئے۔ چند اور آوازیں بھی مل گئیں۔

عالمگیر نے اپنی نشست سے اٹھ کر باہیں پھیلا دیں، جیسے پورے ہال کو اپنی جیت کا گواہ بنا رہا ہو۔ اس کے چہرے پر غرور، قدموں میں رعب، اور انداز میں ایسا دبدبہ تھا جیسے یہ جیت صرف ایک ٹینڈر کی نہیں بلکہ ایک جنگ کی فتح ہو۔ مگر احنف کے الفاظوں نے اسے تھامنے پر مجبور کر دیا۔

"عالمگیر صاحب کیا یہ کمپنی آپ کی ہے ؟"احنف جو کب سے سر جھکائے خاموشی سے مسکرا رہا تھا بول اٹھا،عالمگیر نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

"بالکل کوئی شک ہے ؟"عالمگیر نے مسکراتے تیکھے لہجے میں کہا،احنف کوٹ کا بٹن بند کرتا اپنی جگہ کھڑا ہو گیا،یوں کے اب وہ آمنے سامنے تھے۔

"بالکل ہے..... کیونکہ کمپنی ہماری ہے اور خوشیاں آپ منا رہے ہیں"وہ بتیسی نکالے بول رہا تھا اور عالمگیر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی

کانفرنس روم میں چہ مگوئیاں ہونے لگی ایک شخص نے ہمت کر کے پوچھ لیا"یہ کیا کہہ رہا ہے عالم صاحب"

عالمگیر نے طیب کو چیک کرنے کا اشارہ کیا "لگتا ہے ہارنے کا صدمہ لگ گیا ہے بچے کو"
عالمگیر احنف کو دیکھتے استہزائیہ انداز میں بولا تو احنف کا بے اختیار قہقہہ فضا میں گونجا۔ وہ اس کے لہجے کی کمزوری صاف طور پر محسوس کر سکتا تھا۔

"صدمہ تو آپ کو لگا ہے برفات صاحب، لگتا ہے ٹھیک سے چیک نہیں کیا آپ نے "وہ پورے اعتماد سے اسکی آنکھوں میں دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"کیا بکواس ہے میں نے کل رات ہی کمپنی خریدی ہے "وہ غصے سے پھنکارا۔

"جی نہیں "احنف نے اسکی بات کی تائید کی اور میز کے گرد گھوم کر اسکی طرف آیا" کمپنی ابھی خریدی تھی آپ نے آج صبح۔ لگتا ہے وکالت بھولنے لگے ہیں آپ "احنف بے خوفی سے اسکے روبرو کھڑا بول رہا تھا اور عالمگیر مٹھیاں بھینچے اپنا غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا اسکا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کا سر قلم کروا دیتا۔

"ہم آپکو بتا دیتے ہیں "احنف نے اپنی بات جاری رکھی اور نظر گھما کر سب افراد کی طرف دیکھا" کانٹریکٹ یہ تھا کہ اگر برفات صاحب، سوری عالمگیر برفات صاحب اگر آج بارہ بجے

سے پہلے کاغذات SECP جمع نا کرواسکے تو وہ کانٹریکٹ منسوخ ہو جائے گا اور جائیداد کنندہ کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اسے کسی کو بھی بیچ سکے" عالمگیر کو لگا اسے کسی نے کھائی میں پھینک دیا ہے وہ آنکھیں پھاڑے احنف کو دیکھ رہا تھا، اسکا گلہ ایسا خشک ہوا مانو کبھی پانی پیا نا ہو۔ اس نے عقب سے سر جھکائے آتے طیب کو دیکھا، طیب کے نفی میں سر ہلانے پر اسکا بس نہیں چلا ابھی اسکے ہاتھ کوئی تلوار پکڑائے اور وہ طیب کا سر تن سے جدا کر دے۔

"سو جنٹلمینز، آپکی مبارکباد کا بہت بہت شکریہ پھر ملتے ہیں، خدا حافظ "مسکر کر ہاتھ جھلاتے سب کو خدا حافظ کہتا خضر کو چلنے کا اشارہ کرتا باہر کی طرف راہ لی،

خضر استہزائیہ اور فاتحانہ مسکراہٹ سجائے ہوائیاں اڑے چہرہ لیے کھڑے عالمگیر برفات کے روبرو آیا اور اسکے کان کے قریب جھکتے سرگوشی کی "اسے کہتے ہیں چیک میٹ، آپ نے مجھے بند کمرے میں زلیل کیا تھا میرے بھائی نے آپکو بھری محفل میں کیا، ہر قتل کا قصاص ہوتا ہے عالمگیر صاحب چاہے وہ خوشیوں کا ہو یا انسانوں کا" کہہ کر وہ پیچھے ہوا اور

اس کے ہاتھ میں ایک خاکی رنگ کا گفٹ بیگ پکڑاتے کنپٹی کے ساتھ دو انگلیاں لے جا کر ہوا میں اچھالتے گڈ بائے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

"سر یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا کہہ کر گیا ہے وہ لڑکا؟" کئی سوالوں کا انبار اسکے کانوں میں بوجھ کی طرح پڑ رہا تھا

"شٹ اپ" عالمگیر غیض و غضب سے بآواز چلایا اور گفٹ بیگ پوری قوت سے سامنے والی دیوار میں دے مارا، جس میں سے وہی سوٹ نکل کر باہر گرا جس نے اس جنگ کی ابتداء کی تھی۔

پورے کانفرنس روم میں موت سا سناٹا چھا گیا، وہ سر جھکائے تیز تیز سانس لیتے میز پر ہتھیلیاں ٹیکے چند پل کھڑا رہا پھر اپنا موبائل اٹھا کر ماتھے پر بکھرے بال بائیں ہاتھ سے پیچھے کرتا کانفرنس روم سے باہر نکلا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھنے لگا، باہر نکلتے طیب نے اس کے عقب میں قدم بڑھائے

"اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو میرے پیچھے مت آؤ" اسکی موجودگی پہچانتے عالمگیر نے پھولی ہوئی سانس میں کہا وہ اپنی جگہ رک گیا شرمندہ نظروں سے عالمگیر کی پشت دیکھنے لگا، عالمگیر نے لفٹ میں سوار ہوتے گراؤنڈ فلور کا بٹن پریس کیا، لفٹ کے دروازے بند ہوتے اس نے زور زور سے چلاتے دایاں ہاتھ موبائل سمیت لفٹ کی دیوار پر دیوانہ وار مارتا چلا گیا، موبائل کی اسکرین ٹوٹ کر کرچیاں اسکے ہتھیلی میں لگیں انگلیاں بری طرح سے لہولہان ہو چکی تھی۔۔

لفٹ کا دروازہ کھلا، اسکے کمانڈو تیزی سے اسکی طرف بڑھے، ایک کمانڈو نے ہمت کرتے الآگے بڑھ کر اسکے ہاتھ سے موبائل لیتے اسکے ہاتھ کا جائزہ لینے لگا۔

" گھر چلو "عالمگیر نے ہاتھ کھینچ کر تھکے لہجے میں کہا، اور شکست قدموں سے چلتا گاڑی میں آبیٹھا، ٹائی ڈھیلی کر کے گردن آزاد کرتے ٹائی کو ہوا کے دوش باہر پھینکا "امراء صحیح کہتی ہے حکمران کی گردن آزاد ہی اچھی لگتی ہے "اس نے دل میں سوچا، بنا کچھ کیے ایک اور دشمن بنا لیا تھا اس نے وہ بھی جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے ہرا گیا تھا، یہ سراسر تو

ہین تھی عالمگیر برفات کی۔ اتنی ہتک آمیز شکست اس نے آج تک برداشت نا کی تھی۔ غصے سے چلاتے اس نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کو کہا۔ گاڑیاں ایک سنسان سی سڑک پر رکیں عالمگیر گاڑی سے باہر نکلے چلاتے ہوئے ان سے قدرے دور ہوا "اس دو کوڑی کے لڑکے کی ہمت کیسے ہوئی عالمگیر برفات پر ہاتھ ڈالنے کی" وہ غصے سے چلاتے گاڑی کے بونٹ پر گھونسے مار رہا تھا۔ کسی کی بھی اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی وہ سب اس سے قدرے دور کھڑے تھے۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا آنکھیں مانو لہو برسا رہی تھیں۔

تبھی ایک ہانڈا اسیوک تیزی سے اس کے پاس سے گزری۔ عالمگیر نے اس طرف رخ موڑا۔ گاڑی سے گن پکڑا ہاتھ باہر نکلا اور اندھا دھند دو سے تین بار فائر ہوئے۔ جب تک سیکیورٹی عملے نے حرکت میں آتے بیک فائر کیا عالمگیر بری طرح سے زخمی ہو چکا تھا اور وہ گاڑی تیزی سے ان سے دور جا چکی تھی۔

موجودہ دن:

طیب نے اس دن کی ساری روداد سناتے گہری سانس لی۔

"تو اسی لیے تم اس وقت اس کے ساتھ نہیں تھے" امراء نے سوچ بھری آواز میں پوچھا اس نے اثبات میں سر ہلایا

"میر جانتا ہے تم شادی شدہ ہو اور تمہارے دو بچے ہیں۔۔۔ تمہیں پتہ ہے ناں اسے بچوں سے اور بچوں والے ایمپلائیز سے کتنی نفرت ہے اسی لیے وہ ماریہ سے دور رہتا ہے" امراء نے جانچتی نظروں سے عقب میں موجود اسکے گھر کی بلڈنگ کو دیکھا۔

"نہیں" اس نے شرمندگی سے سر جھکایا "اسی لیے میں نے واپس پلٹنے کی کوشش نہیں کی..... ویسے بھی انھیں پتہ چلتا تو مجھے کام سے نکال دیتے اسی لیے موقع ملا تو میں خود ہی پیچھے ہٹ گیا"

"اسے تمہاری ضرورت ہے طیب..... تم اس کے بیسٹ ایمپلائی ہو۔جہاں تک بات بیوی بچوں کی ہے تو بے فکر رہو نا میں اسے بتاؤں گی اور نا ہی اسے یہ راز پتہ چلنے دوں گی جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا"

"ٹھیک ہے میں ان سے بات کروں گا.....بشرطیکہ وہ میرا سر قلم نا کر دیں"

"ہاہاہاہا..... فکر نا کرو تمہاری زندگی میری ضمانت ہے"وہ اسکی یقین دہانی پر کار سے نیچے اترا"ویسے اس کا نام کیا بتایا تم نے"وہ دروازہ بند کرنے لگا تو امراء نے پوچھا۔

"ابی احنف مرزا"طیب نے بتایا تو اس نے سر خم کرتے دروازہ بند کرنے کا اشارہ کیا۔

"ابی.....احنف.....مرزا"اس نے زیر لب نام بڑبڑایا آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں سلگ اٹھی تھیں۔اس نے اسکے گھر کے سربراہ کو چوٹ پہچانے کی ہمت کی تھی وہ ایسے کیسے اسے معاف کر سکتی تھی۔ایک ان دیکھ نفرت کا آغاز ہو چکا تھا۔اس نے ڈرائیور سے فلاور شاپ پر رکنے کو کہا۔

سیکیورٹی عملے کے ایک گارڈ کو اپنے پاس بلایا اور ہدایت دیتے اپنا کارڈ اسکی طرف بڑھایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسکی مطلوبہ چیز لیے شاپ سے باہر آیا۔ دروازہ کھولتے اسے گاڑی کے اندر امراء کے پاس رکھا اور کارڈ امراء کو واپس لوٹایا۔ امراء نے گاڑی کے میپ پر ایک لوکیشن ڈالی۔ گاڑیاں دوبارہ سے سڑک پر رواں دواں ہوئیں کچھ دیر وہ ایک نیلے رنگ کی آٹھ منزلہ اونچی عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ گھوم کر سیٹ سے مطلوبہ چیز اٹھائی اور بلڈنگ کے اندر داخل ہوئی۔ سیکیورٹی عملے کو باہر ہی رکنے کا اشارہ کیا۔ لفٹ میں داخل ہوتے پانچویں نمبر کے بٹن کو پریس کیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ لب سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ آنکھیں غصے سے سلگ رہی تھیں۔ لفٹ مطلوبہ فلور پر رکی۔ اس کی شیرنی جیسی آنکھیں اٹھیں۔ پنسل ہیل کی ٹک ٹک فضا میں گونجنے لگی۔ وہ قدم قدم چلتے ہوئے لفٹ کے عین سامنے دس قدم دور شیشے کے بند دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ دروازے کے قریب پہنچی ساتھ ہی ریسپشن ڈیسک پر بیس بائیس سالہ ایک لڑکا موجود تھا۔

"جی" اس نے سوالیہ نظروں سے امراء کو دیکھا۔

"احنف مرزا کا آفس یہی ہے "اس نے عقب میں دو حصوں میں بٹے آفس کو دیکھا۔

"جی ہاں..... آپ کو کوئی کام تھا "اس نے بغور امراء کا جائزہ لیتے پوچھا وہ اس وقت سیاہ عبایے میں ملبوس سر پر سیاہ دوپٹہ لیے ہوئے تھی جس سے ہمیشہ کی طرح بال باہر نکل کر اسکے چہرے پر جھوم رہے تھے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا۔ ہونٹ گہری میرون لپ اسٹک سے رنگے ہوئے تھے اور اسکے وجود سے اٹھتی قیمتی پرفیوم کی مہک انس کو رعب میں ڈال رہی تھی آخر وہ کون تھی؟اس کے ہاتھ میں پکڑے بولے پر اسکی نظر ٹھہری جو الٹا پکڑا ہوا وہ اسے صحیح سے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

"یہ انھیں دے دیجئے گا "وہ اسے تھماتے مختصر کہتے واپس مڑی۔ انس نے سانس روکے ایک نظر اسے اور پھر گہرے سیاہ گلابوں کے بڑے سے بھاری بوکے کو دیکھا۔ اس لڑکی نے ایک ہاتھ سے کیسے اٹھایا ہوا تھا اسے۔ امراء کا چہرہ ہنوز ویسا سپاٹ تھا وہ لفٹ میں داخل ہوتے مڑی۔ گراؤنڈ فلور کا بٹن پریس کیا۔ اگلے ہی لمحے لفٹ کے دروازے بند ہوئے اور وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ انس کلیولیس سی کیفیت میں احنف کے آفس روم کی طرف

بڑھا۔ناک کرتے اندر داخل ہوا احنف کال پر بزی تھا۔ خضر اس کے پاس میز کے اوپر چڑھ کر بیٹھے خوشی سے اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔اسے دیکھتے تو شاید حیران نا ہوتے مگر اس کے ہاتھ میں پکڑے سیاہ بو کے کو دیکھ وہ دونوں ٹھٹھکے۔

"ہم آپ کو بعد میں کال کرتے ہیں" احنف نے جلدی سی کہتے کال منقطع کی اور حیرانگی سے کھڑے ہوتے اسکی طرف بڑھا۔

"یہ آپ کیلئے ایک لڑکی دے کر گئی ہے باہر" انس نے ڈرے ہوئے لہجے میں بتاتے عقب میں اشارہ کیا۔احنف نے حیرت اور متلاشی نظروں سے عقب میں دیکھا۔انس نے بو کے اسے تھمایا۔

"کون تھی؟"

"وہ یہ دے کر اسی وقت واپس پلٹ گئی" انس نے مزید بتایا۔

"ایسے کیسے کسی سے بھی کچھ لے سکتی ہو تم" خضر غصے سے ڈانٹتے ان کے قریب آیا۔احنف بو کے کا جائزہ لینے لگا اوپر ایک سیاہ کارڈ رکھا ہوا تھا۔اس نے دھیرے سے اسے کھولا مگر

پھولوں کے گرد اتنے کانٹے تھے کہ احتیاط کے باوجود اس کے ہاتھ میں چبھے۔ احنف نے سسکی بھرتے ہاتھ دور کیا کارڈ پنا پلٹا کنارہ خون آلود ہوا "برفات کے ساتھ دشمنی مبارک ہو" اندر رومن زبان میں الفاظ پرنٹ تھے۔ احنف کے لبوں پہ متبسم سی مسکراہٹ بکھری۔

"کافی ماڈرن قسم کے دشمن ہیں ہمارے" احنف نے زخمی انگلی کا خون روکنے کیلئے اسے دانتوں تلے دابا اور بوکے کو خضر کی طرف جھکاتے کارڈ دکھایا۔ خضر کے چہرے پر اضطراب پھیلا۔

"چِل بڈی" احنف نے فوراً نوٹس کرتے دیکھ اسکا شانہ تھپتھپایا "جب تک زندگی ہے تب لڑائی جاری رہتی ہے کسی کی انسانوں سے، کسی کی غربت سے اور کسی کی خود اپنے نفس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہنستے ہوئے مقابلہ کرنا ہے ہمیں" وہ بنا کسی خوف کے بول رہا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ جائیں" انس کو رخصت دی اور بوکے اٹھائے عقب میں سجی شیلف کی طرف بڑھا "ہم سوچ ہی رہے تھے یہاں کیا رکھیں گے" احنف نے مسکراتے کہا اور مڑ کر خضر کو

دیکھا "لگتا ہے دشمنی کے تحفوں سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہوگی اسے سجانے کیلئے "اس نے شرارت سے کہا اور بوکے کو ایک ڈبے میں رکھ دیا۔ اور سوچ بھری نظروں سے اسے دیکھتے گہری سانس لی۔ قصاص سوچ سمجھ کر لینا چاہیے کیونکہ مظلوم سے ظالم بننے میں فقط ایک چھوٹی سی لکیر کا فاصلہ ہوتا ہے جو جانے کب تہہ ہو جائے پتہ نہیں چلتا۔

(جاری ہے)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

## Next Episode Glimpse

، فجر کی نماز پڑھ کر خدا کا شکر ادا کرتے وہ کچھ گھنٹوں کیلئے سوئی

، پھر ماریہ نے اسے ناشتے کیلئے اٹھایا

ترو تازہ مزاج میں نک سک سی تیار ہو کر وہ ناشتے کی ٹیبل پر آن بیٹھی، سبھی گھر والے حیران نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے،عالمگیر بھی شاک سا اسکا بدلا انداز دیکھ رہا تھا اسے لگا اس بار بھی شاید وہ کئی دن تک اس حادثے سے باہر نہیں آسکے گی، لیکن وہ تو جاندار سی مسکراہٹ سجائے ناشتہ کرنے میں مصروف تھی

مجھے آپ لوگوں سے کچھ بات کرنی ہے" چڑیوں کی طرح ناشتہ چگ کر ہاتھ کھینچتے اس نے " رومال سے رسماً ہونٹ صاف کرتے سب کو متوجہ کیا، جو کہ پہلے سے ہی دم بخود اسی پر ۔ نظریں مرکوز کیے ہوئے تھے

" ماں، میر "

اس نے باری باری دونوں کو دیکھ کر متوجہ کیا "مجھے شادی کرنی ہے میرے لیے رشتہ ڈھونڈیں "

"اس نے مسکرا کر کہتے سب کے ہوش اڑا دیے ..........

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/ مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842